Date of Publication : 02-10-2014

PRICE Rs. 2/-

POSTED AT N.D.P.S.O, New Delhi-01
ON 03-04 Oct. 2014 R.N.I No. 2186/57

POSTAL REGN. NO. DL (C) -01/1195/2012-14
Licensed to Post Without PrepaymentU (C) 160/2012-14

HAMARI ZABAN (WEEKLY)

ہفت روزہ

ہماری زبان

انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی

8-14 October 2014
Issue: 38, Vol.:73

۸تا۱۴/اکتوبر ۲۰۱۴ء
شمارہ نمبر: ۳۸، جلد نمبر: ۷۳

انجمن ترقی اردو (ہند) ہندستان میں اردو کا گزشتہ 111 برسوں سے سب سے اہم رضاکار ادارہ ہے۔ باقی جو ادارے سرگرم ہیں وہ یا تو سرکاری ہیں یا نیم سرکاری، اس لیے، ایک رضاکار ادارے کی حیثیت سے ہماری یہ ذمہ داری ہے کہ ہم تمام سرکاری اردو اداروں کا وقتاً فوقتاً معروضی جائزہ لیں تاکہ وہ صحیح سمت پر گامزن رہیں۔ اس سلسلے کی پہلی کڑی کے طور پر زیر نظر مضمون ایک ایسے وقت شائع کیا جارہا ہے جب مرکزی حکومت کے سب سے بڑے اردو ادارے کی تشکیل نو ہونی ہے۔ سرکاری ادارے ٹیکس دہندہ کے پیسے سے چلتے ہیں، اس لیے، ان کا سخت احتساب ہونا چاہیے۔ (ادارہ)

قومی اردو کونسل کی تشکیلِ نو اور مستقبل کا لائحۂ عمل

پہلی قسط

اطہر فاروقی

قومی اردو کونسل یا قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی تشکیل نو ہونے جا رہی ہے جس میں نائب صدر نشیں اور اراکین کو وزارت برائے فروغ انسانی وسائل نامزد (Nominate) کرے گی۔ کونسل کے ڈائرکٹر کے باقاعدہ تقرر کا اشتہار بھی شائع ہونے والا ہے جب کہ ضابطے کے مطابق یہ سرکاری اداروں میں Circulate ہو چکا ہے۔ یہ بات افسوس ناک ہے کہ قومی اردو کونسل کے قیام کے بعد سے اب تک اس کے انتظامی ڈھانچے، اس کے اہم عہدے داروں کے تقرر کی شرائط اور طریق کار پر نہ تو حکومت نے نظر ثانی کی نہ ہی اردو معاشرے نے کونسل کے مجموعی طریق کار کا کوئی جائزہ لیا جو ساٹھ (60) کروڑ روپیہ سالانہ کی گرانٹ والے اس ادارے کی کارکردگی کو بہتر کرتی۔ مذکورہ جائزے سے میری مراد کسی قسم کی تنقید ہرگز نہیں بلکہ معروضی احتساب ہے جو اردو کے ہر ادارے کا ہونا چاہیے جس کا اب تک کوئی تصور اردو دنیا میں موجود نہیں ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ اردو کے ہر ادارے کے خلاف اکثر بے سر پیر کی اور شاذ و نادر اہم تنقید اگر کی بھی جاتی ہے تو اس کا مقصد اصلاح نہیں بلکہ اس کے پیچھے کوئی ذاتی مفاد، کوئی مجروح انا کارفرما ہوتی ہے۔

قومی اردو کونسل کا آئین ہی نہایت لاپرواہی سے تیار کیا گیا تھا جس میں اب تک کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ سنجیدہ قسم کے اداروں کی تشکیل کے وقت حکومت عوام سے رائے طلب کرتی ہے اور مختلف سطحوں پر سنجیدہ مشاورت کی جاتی ہے یہ کام یقیناً کونسل کی تشکیل کے وقت نہیں ہوا۔ کونسل کے پہلے ڈائرکٹر کا انتخاب بھی عجیب و غریب طریقے سے ہوا۔ سید عابد حسین مرحوم کی قیادت میں ایک سرچ کمیٹی بنی۔ عابد صاحب نہرو خاندان کے مقربین میں تو تھے مگر نہایت نفیس شخص اور نہایت ذہین بیورو کریٹ بھی تھے۔ اس کمیٹی میں عابد صاحب کے ساتھ پروفیسر نذیر احمد اور جناب اے۔ ایم۔ خسرو کو شامل کیا گیا تھا جو دونوں نظام کالج حیدرآباد میں ہم سبق رہ چکے تھے۔ مع عابد صاحب تینوں ہی لوگ اس شخص سے ناواقف تھے جس کے تقرر نامے پر انھوں نے عابد صاحب کے کہنے سے دستخط کردیے۔ عابد صاحب پر بھی زبردست سیاسی دباؤ تھا، اس لیے، انھوں نے یہ سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی کہ وہ جس کا انتخاب کر رہے ہیں اس کی صلاحیتیں کیا ہیں۔ یہ شخص حمید اللہ بھٹ تھے۔ فائل پر عابد صاحب نے درج کیا ہے کہ انھوں نے اہم اردو والوں سے اس سلسلے میں مشاورت کرکے تین لوگوں کو Shortlist کیا جس میں نہایت لائق سول سرونٹ جناب نوید مسعود، مشہور نقاد اور عرصے تک ریڈیو سے وابستہ محمود ہاشمی کے ساتھ حمید اللہ بھٹ شامل تھے۔ نوید مسعود اور محمود ہاشمی کی جگہ بھٹ صاحب کا انتخاب ہندوستان کے سفارشی اور بد عنوان نظام کا اعلامیہ ہے۔ ایک ایسے شخص کا انتخاب جس کا اردو سے کوئی واسطہ نہ تھا اور دیگر اردو والوں کی طرح اسے بھی جب کہیں اور داخلہ نہ ملا تھا تو اس نے اردو میں پی ایچ ڈی کر لی۔ تقرر کے وقت حمید اللہ بھٹ کا کوئی اشاعتی کام موجود نہیں تھا مگر ہندوستان میں سفارش جو نہ کرادے وہ کم ہے۔ اس غلط طریقے سے کیے گئے تقرر نے کونسل میں ہر طرح کی بد عنوانی کے راستے کھول دیے جس کے نتیجے میں حمید اللہ بھٹ کو 2005 میں سی بی آئی نے مالی بد عنوانیوں کے الزام میں گرفتار کیا اور آخرش ایک PIL کے نتیجے میں دہلی ہائی کورٹ نے ان کے ریٹائر ہونے کا حکم جاری کیا مگر انھیں اپنی سفارش کی صلاحیت اور اس کی طاقت پر اتنا بھروسہ تھا کہ ہائی کورٹ کے فیصلے کے بعد بھی وہ وزارت فروغ انسانی وسائل کو اس امر پر آمادہ کرپائے کہ انھیں ریٹائر نہ کیا جائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دہلی ہائی کورٹ نے بھٹ صاحب کو Contempt of Court

قومی اردو کونسل یا قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی تشکیل نو ہونے جا رہی ہے، جس میں نائب صدر نشیں اور اراکین کو وزارت برائے فروغ انسانی وسائل نامزد (Nominate) کرے گی۔ یہ بات افسوس ناک ہے کہ قومی اردو کونسل کے قیام کے بعد سے اب تک اس کے انتظامی ڈھانچے، اس کے اہم عہدے داروں کے تقرر کی شرائط اور طریق کار پر نہ تو حکومت نے نظر ثانی کی نہ ہی اردو معاشرے نے کونسل کے مجموعی طریق کار کا کوئی جائزہ لیا جو ساٹھ (60) کروڑ روپے سالانہ کی گرانٹ والے اس ادارے کی کارکردگی کو بہتر کرتی۔

کا مرتکب قرار دیا تب جاکر قومی اردو کونسل کو ان سے نجات ملی۔ اس واقعے کا ذکر میں نے حمید اللہ بھٹ کی کردار کشی کی وجہ سے نہیں بلکہ اس لیے کیا ہے کہ قومی کونسل کا آئین کتنا بودا ہے اور حکومت نے اردو کے اس اہم ادارے کے تئیں کس درجہ بے اعتنائی برتی ہے۔ اس خراب آئین کی وجہ سے ہی کونسل کو بھٹ صاحب کے بعد بھی کئی عجیب الخلقت ڈائرکٹر ملے۔

حمید اللہ بھٹ کی گرفتاری اور قومی اردو کونسل میں حد درجہ بدعنوانی کی وجہ اس کا آئین ہے، اس لیے، سید شہاب الدین صاحب نے کونسل کے آئین کا تفصیلی جائزہ لیتے ہوئے ایک رپورٹ جسے کونسل کا نظر ثانی شدہ [ڈرافٹ] آئین بھی کہا جاسکتا ہے، تیار کیا۔ یہ ڈرافٹ آئین ڈاکٹر خلیق انجم، پروفیسر صدیق الرحمن قدوائی اور راقم الحروف نے ڈی آر کونسل کو بھی پیش کیا جس پر تفصیلی بحث ہوئی۔ سید شہاب الدین صاحب نے علاحدہ سے بھی یہ ڈرافٹ آئین سیکنڈری اور ہائر ایجوکیشن کے سکریٹری سدیپ بنرجی کو بھی اپنے تفصیلی خط کے ساتھ بھیجا۔ اس دستاویز میں سب سے اہم مدعا یہ تھا کہ کونسل کے اراکین میں اردو والوں کی نمائندگی بہت کم ہے۔ کونسل کے کل اراکین میں اردو دنیا سے مختلف سیکٹروں میں تقریباً اتنے ہی اراکین نامزد کیے جاتے ہیں جتنے بیوروکریٹس Ex Officio کی حیثیت سے مختلف وزارتوں کی نمائندگی قومی اردو کونسل میں کرتے ہیں۔ اس لیے شہاب الدین صاحب کی تجویز یہ تھی کہ اردو کے اہم رضاکار اداروں اور صوبائی اردو اکادمیوں وغیرہ کی رکنیت کو کونسل میں لازمی قرار دیا جائے۔ اگر اس ڈرافٹ آئین کو منظور کرلیا جاتا تو یہ ہندستان کے کسی بھی ادارے کا سب سے بہتر آئین ہوتا۔

ڈی آر کونسل کمیٹی حمید اللہ بھٹ کی گرفتاری کے بعد کونسل کی کارکردگی کو بہتر کرنے کے لیے بنائی گئی تھی جس میں ان کے ساتھ قابل قدر محقق اقتدار عالم خاں اور انگریزی کے مشہور صحافی جاوید نقوی شامل تھے۔ یہ سب بائیں بازو کے دانشور تھے مگر ان میں سے کسی کو اردو کے معاملات کا اتنا بھی اندازہ نہ تھا جتنا سڑک چلتے آدمی کو تاریخ یا صحافت کا ہوتا ہے لہٰذا ایک نہایت فضول رپورٹ سامنے آئی جس میں سب سے افسوس ناک بات یہ تھی کہ شہاب الدین صاحب کی میٹنگوں کی اس محنت کا کہیں کوئی ذکر نہ تھا جو کمیٹی کی انتہا درجہ پست اخلاقی معیار کی آئینہ دار تھی۔

حکومت ہند کی موجودہ مرکزی وزیر برائے فروغ انسانی وسائل بھی اردو کے معاملات سے قطعی نابلد ہیں اور بی جے پی کے پاس عام معلومات کے مطابق اردو کا کوئی تیسرے درجے کا شاعر بھی نہیں، اس لیے، اگر صدر اور اراکین کے تقرر میں کشادہ دلی اور نہایت احتیاط سے کام نہیں لیا گیا تو بی جے پی حکومت اب تک کی سب سے چوپٹ کونسل بنائے گی۔ ویسے ہندستان کے سب سے زیادہ پڑھے لکھے لوگوں میں شمار کیے جانے والے کپل سبل نے جو کمیٹی بنائی تھی اس سے زیادہ واہیات کمیٹی کا تصور دنیا میں کوئی شخص نہیں کرسکتا۔ اس کمیٹی میں کپل سبل کے پارلیمانی حلقے چاندنی چوک کے دائرے میں آنے والے ان کے بعض ایسے حامی بھی موجود تھے کہ توبہ بھلی۔

قومی اردو کونسل کے نائب صدر کے معاملے میں سب سے خطرناک رجحان شاعروں کو صدر بنانے کا بھی کانگریس نے شروع کیا ہے، اس کو فوراً روکنے کی ضرورت ہے۔ ہمارے یہاں عرف عام میں جنھیں مقبول ترین شاعر تصور کیا جاتا ہے ان کی زندگی صرف مشاعروں کے گرد گھومتی ہے۔ مشاعرے اردو کی ثقافت کا اہم حصہ ہیں مگر 60 کروڑ کے سالانہ بجٹ والی کونسل کو ایسے شاعروں کے حوالے کردینا جنھوں نے زندگی میں کبھی نوٹ شیٹ نہ دیکھی ہو ادارے کو از خود تباہ ہونے کی راہ ہموار کرنے کے سوچے سمجھے منصوبے کے سوا کچھ نہیں۔ وسیم بریلوی کو کپل سبل کے ذریعے کونسل کا نائب صدر بنانا اردو کے تئیں وزارت فروغ انسانی وسائل کی حد درجہ لاپرواہی کا ثبوت ہے۔ بلاشبہ وسیم بریلوی صاحب کم و بیش چالیس برس تک مشاعروں کی دنیا پر تو چھائے رہے مگر معاصر اردو شاعروں میں ان کی ادبی حیثیت کچھ نہیں۔ مشاعروں میں شرکت کرنے کے علاوہ وسیم بریلوی صاحب نے کوئی علمی کام تب بھی نہیں کیا جب وہ بریلی کالج میں لیکچرر تھے جہاں وہ شاید ہی کبھی جاتے ہوں اور انتظامی امور میں تو ان کا تجربہ صفر ہی تھا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ کونسل کا صدر کسی ایسے شخص کو بنایا جائے جو نہ صرف معتبر ہو بلکہ اسے بیوروکریسی کے داؤ پیچوں کا تجربہ بھی ہو اور وہ کسی ادارے کا سربراہ بھی رہ چکا ہو۔

کونسل کے ڈائرکٹر کے تقرر کے اشتہار میں تجربے کا جو معیار مقرر کیا گیا ہے اس میں یونی ورسٹی کے تجربے کو بھی شامل کرلیا گیا ہے جو یقیناً احمقانہ شرط ہے۔ یونی ورسٹی میں شعبے کا صدر یا ممبر ذہین بنیادی طور پر استاد ہوتے ہیں اور یونی ورسٹی کے ضابطوں کے مطابق ان کے دفاتر Routine کا کام کرتے ہیں، اس لیے، ضرورت ہے کہ اس شرط کو تبدیل کیا جائے۔ اچھے دنوں میں ہمارے عہد ساز نقاد اور بیوروکریٹ برادری میں نہایت ذہین سمجھے جانے والے شمس الرحمن فاروقی کونسل کے پیش رو ترقی اردو بیورو کے ڈائرکٹر رہ چکے ہیں۔ حکومت کو خصوصی کوشش کرکے کسی ایسے تجربے کار شخص کو ہی ڈائرکٹر بنانا چاہیے جسے معقول انتظامی تجربہ ہو۔ شاید قارئین کو یاد ہو کہ حکومت ہند نے پہلے ترقی اردو بورڈ بنایا تھا جو ایسی ہی احمقانہ پالیسیوں کی وجہ سے اس قدر بدنام ہوا کہ اس کو ختم کرکے ترقی اردو بیورو بنایا گیا، اس کا انجام بھی وہی ہوا جو بورڈ کا ہوا تھا، اس کے بعد قومی اردو کونسل بنی جو حکومت کی احمقانہ پالیسیوں کی وجہ سے اپنے پیش رو اداروں کے نقش قدم پر چل رہی ہے اور اگر اردو معاشرے نے بیداری کا ثبوت نہ دیا تو اس کا انجام بھی ترقی اردو بورڈ اور ترقی اردو بیورو سے مختلف نہ ہوگا۔

> حمید اللہ بھٹ کی گرفتاری اور قومی اردو کونسل میں حد درجہ بدعنوانی کی وجہ اس کا آئین ہے، اس لیے، سید شہاب الدین صاحب نے کونسل کے آئین کا تفصیلی جائزہ لیتے ہوئے ایک رپورٹ جسے کونسل کا نظر ثانی شدہ [ڈرافٹ] آئین بھی کہا جاسکتا ہے، تیار کیا۔ یہ ڈرافٹ آئین ڈاکٹر خلیق انجم، پروفیسر صدیق الرحمن قدوائی اور راقم الحروف نے ڈی آر کونسل کو بھی پیش کیا جس پر تفصیلی بحث ہوئی۔ سید شہاب الدین صاحب نے علاحدہ سے بھی یہ ڈرافٹ آئین سیکنڈری اور ہائر ایجوکیشن کے سکریٹری سدیپ بنرجی کو بھی اپنے تفصیلی خط کے ساتھ بھیجا۔ اس دستاویز میں سب سے اہم مدعا یہ تھا کہ کونسل کے اراکین میں اردو والوں کی نمائندگی ناکافی ہے۔ اس لیے شہاب الدین صاحب کی تجویز یہ تھی کہ اردو کے اہم رضاکار اداروں اور صوبائی اردو اکادمیوں وغیرہ کی رکنیت کو کونسل میں لازمی قرار دیا جائے۔ اگر اس ڈرافٹ آئین کو منظور کرلیا جاتا تو یہ ہندستان کے کسی بھی ادارے کا سب سے بہتر آئین ہوتا۔

میں نے سید شہاب الدین صاحب کے تیار کردہ جس ڈرافٹ آئین کا ذکر کیا ہے، اسے وزارت انسانی وسائل کو بھیجتے ہوئے شہاب الدین صاحب نے جو طویل خط لکھا تھا اس میں انجمن ترقی اردو (ہند) کی عظیم الشان تاریخ کا خصوصی طور پر ذکر کیا گیا تھا جس کے نتیجے میں اس وقت کی وزارت کے سکریٹری سدیپ بنرجی جو نہ صرف اردو کے ہمدرد سمجھے جاتے تھے بلکہ ان کا شمار استثنائی ذہانت کے حامل بیوروکریٹس میں ہوتا تھا، نے انجمن کے جنرل سکریٹری کی حیثیت سے ڈاکٹر خلیق انجم صاحب کو مشاورت کے لیے بلایا۔ یہ خلیق صاحب کا حسن ظن تھا کہ وہ مجھے بھی ساتھ لے گئے، مگر ترسیل میں ابہام کی وجہ سے خلیق صاحب کو یہ معلوم نہ تھا کہ انھیں کیوں بلایا گیا ہے۔ بنرجی صاحب نے — جو اس وقت کینسر میں بری طرح مبتلا تھے اور کچھ روز بعد انتقال بھی کرگئے — نے صرف اپنی وزارت ہی نہیں بلکہ وزارت مالیات اور قانون کے ان تمام افسروں کو بھی بلا رکھا تھا جو کونسل کے نئے آئین کی تشکیل اور اس کے مقاصد کی تکمیل تو کرتے اور سب کے پاس شہاب الدین صاحب کے تیار کردہ دستاویز کے تجزیے پر مبنی تفصیلی نوٹس تھے۔ میٹنگ کے شروع میں بنرجی صاحب نے جو وقتی طور پر بالکل صحت مند تھے، نہ صرف کونسل کی کارکردگی پر نہایت عدم اطمینان کا اظہار کیا بلکہ یہ بھی کہا کہ حکومت کونسل کو تحلیل کرنے کے بارے میں سنجیدگی سے غور کررہی ہے۔ میں نے جرأت کرکے سوال کیا کہ آپ نے اس مشاورت میں شہاب الدین صاحب کو کیوں نہیں بلایا جو اس دستاویز کے خالق ہیں۔ بنرجی صاحب نے مسکراکر کہا کہ آپ اس کی وجہ نہیں سمجھیں گے مگر ہم ان سے رہنمائی ضرور حاصل کریں گے۔ مجھے معلوم ہے کہ اگر شہاب الدین صاحب اس میٹنگ میں ہوتے تو وہ کسی کی ایک نہ چلنے دیتے کیوں کہ وہ خود صف اول کے ڈپلومیٹ اور 35 برس سے عوامی زندگی میں ہیں اور کوئی کتنا ہی زیرک بیوروکریٹ کیوں نہ ہو، انھیں کسی داؤ میں نہیں پھنسا سکتا۔ خلیق صاحب کی طبیعت اس روز ناساز تھی، اس لیے، انھوں نے سکریٹری سے وعدہ کیا کہ انھیں کچھ روز کا وقت دیا جائے تاکہ وہ انجمن کے اراکین کی مدد سے اپنی تجاویز تحریری شکل میں پیش کرسکیں۔ کچھ عرصے بعد سدیپ بنرجی کا انتقال ہوگیا۔ ان حالات کی روشنی میں ضرورت اس بات کی ہے کہ سید شہاب الدین صاحب کی خرابی صحت کے باوجود ان سے درخواست کی جائے کہ وہ اس دستاویز کو وقت سے ہم آہنگ کرکے اردو والوں کی قیادت کم سے کم کونسل کے معاملے میں تو ضرور کریں۔ اپنی سخت علالت کے باوجود سید صاحب یوپی میں اردو کے مقدمے میں سپریم کورٹ کا فیصلہ آنے کے بعد مجھ سے کئی بار کہہ چکے ہیں کہ کسی وقت بیٹھ کر آگے کا لائحۂ عمل تیار کیا جائے۔ اردو کے ادارے بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کریں، ان کی یہ کوشش ہمیشہ ہوتی ہے۔

سب سے ضروری بات یہ ہے کہ ڈائرکٹر کے تقرر کی شرائط تبدیل کی جائے اور قومی اردو کونسل کے اراکین کے انتخاب کے لیے نہ صرف تفصیلی مشاورت کی جائے بلکہ نئی کونسل میں نہ صرف معتبر اہل قلم شامل ہوں بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ ان معتبر حضرات کو انتظامیہ کا لازماً تجربہ ہو اور جب تک یہ کام نہیں ہوتا، کونسل کے ڈائرکٹر کے تقرر کو موخر اور اشتہار کو منسوخ کیا جائے۔

تحقیق و تعارف

'نیرنگِ خیال' کے دو قدیم و نایاب سالنامے

سید طلحہ نقشبندی القادری (کتب خانہ خانقاہِ نقشبندیہ، بالاپور، ضلع آکولہ (مہاراشٹر)

ہم پچھلے دنوں ایک تحقیقی مضمون تحریر کرنے کے سلسلے میں چار سو سالہ قدیم اور معروف کتب خانہ خانقاہِ نقشبندیہ، بالاپور، آکولہ (مہاراشٹر) میں موجود برصغیر کے نایاب و بیش بہا رسائل، مجلات و اخبارات کی فائلیں دیکھ رہے تھے، ان فائلوں میں اردو زبان و ادب کے قدیم رسائل میں ہماری نگاہ 'نیرنگِ خیال' لاہور جنوری ۱۹۳۰ء اور دسمبر ۱۹۳۵ء کے دو نایاب سالناموں پر پڑی۔ یہ سالنامے آج کے موجودہ دور میں نایاب و قیمتی ہو گئے ہیں اس لیے، ہم ان کا تعارف اور ان میں شائع معیاری و اعلا مضامین نثر و شعر تحریر کرنے والے اردو کے نامور ادبا، مصنفین اور شعرا کے اسمائے گرامی قارئین کی دل چسپی کے لیے یہاں تحریر کر رہے ہیں۔

'نیرنگِ خیال' لاہور سالنامے، عید نمبر نکالنے میں بہت مشہور و معروف رہا ہے۔ ان نمبروں کے علاوہ اس نے 'ادبائے قدیم کے نگارشات' نمبر کے علاوہ 'علامہ اقبال نمبر' بھی بڑے اہتمام سے شائع کیے تھے اور یہ تمام نمبر آج بہت نایاب ہیں۔ کسی اور موقعے پر ہم ان اہم نمبرات کا تحقیقی تعارف پیش کریں گے۔

(۱) 'نیرنگِ خیال' کا جنوری ۱۹۳۰ء کا سالنامہ اس وقت ہمارے ہاتھوں میں ہے، یہ سالنامہ درمیانی سائز کے اعلا کاغذ کے ۲۳۰ صفحات پر مشتمل لاجواب گیٹ اپ اور خوب صورت بیل بوٹوں سے مزین سرورق بڑا دل کش ہے۔ اس کا ٹائٹل جناب عبدالرحیم اصغر نے تیار کیا تھا۔ اس کے چیف اڈیٹر حکیم محمد یوسف حسن اور اڈیٹر حنیف ہاشمی تھے۔ یہ سالنامہ کریمی پریس لاہور میں طبع ہوتا اور دفتر 'نیرنگِ خیال' بارود خانہ کوٹھی سکندر خاں لاہور سے شائع کیا جاتا اور اس کے کاتب اشفاق احمد خوشنویس بریلوی تھے۔ اس سالنامے میں شائع مضامین نثر و نظم اس طرح ہیں:

(الف) حصۂ نثر: 'پیرایۂ آغاز' از جناب حنیف ہاشمی، 'طلسم ازدواج' (اخلاقیات) از جناب سلطان حیدر جوشؔ، 'حقہ مین شعرائے لاہور' (تذکرہ) از جناب تحسین بہاری، 'ابن بطوطہ' (سوانح) از جناب سید حسن برنی، 'نیند کیوں رات بھر نہیں آتی' از جناب شرف الدین احمد عظیم آبادی، 'پرانی اور نئی تہذیب کی ٹکر' (طربیہ) از جناب فرحت اللہ بیگ، 'شیاسن' (افسانہ) از جناب مولانا مسعود الرحمن خاں ندوی، 'گل شہزادہ' (افسانہ) از جناب خواجہ حسن نظامی، 'سودیشی ریل' (مزاحیہ ڈرامہ) از جناب شوکت تھانوی، 'سکوت' (افسانہ) از جناب انیس احمد رضوی (علیگ)، 'کشمیر جنت نظیر' (اہم مضمون) از جناب صوفی محمد حسین، 'گلاب کنور' (افسانہ) از جناب مولانا سید جالب دہلوی، 'ایرانی خیمبر' (آئی فارسی و عربی شاعر کا تذکرہ) از جناب مولانا عاشق علی بیگ خیال، 'کسی کی کہانی میری زبانی' (اسانیات) از پروفیسر عندلیب شادانی، 'رباعیاتِ عمر خیام کا جواب' (مصطفیٰ ابن احمد خانی کا قلمی نسخہ) از جناب مولانا نجیب اشرف ندوی، 'بارش کا پہلا قطرہ' (خیالات) از جناب حکیم محمد یوسف حسن، 'آوائی' (تامل کی ایک شاعرہ کا تعارف) از جناب مولوی عبدالرزاق صاحب ارشد، 'بہ خانۂ آفتاب' (مزاحیہ ڈرامہ) از نور الٰہی و محمد عمر، 'محبت کی فریب کاریاں' (افسانہ) از جناب لطیف احمد (عرف ل۔ احمد اکبرآبادی)، 'سدا سکھ' (افسانہ) از جناب سدرشن، 'مضامین کس طرح لکھے جاتے ہیں' (مشاہیر ادبا کے ذاتی تجربات) از جناب حنیف ہاشمی، 'شہیدِ وطن' (کہانی) از جناب شیخ ضیاء الدین شمسی، 'رستم اور سہراب' (رزمیہ ڈرامہ) از جناب آغا حشر کاشمیری، 'قسمت کا پہلا منظر' (ڈرامہ) از جناب سید امتیاز علی تاج، 'ساحلِ دریا کا ساحر' (ایک لاجواب کہانی) از جناب حنیف ہاشمی، 'جنتستانِ کشمیر کی ایک طلسمی سرسبز' از محمد عبداللہ قریشی، 'ہندی رسائل پر ایک نظر' (تحقیقی و تعارفی مضمون) از ڈاکٹر اعظم کریوی، 'غالب کا خط صوفی منیری عظیم آبادی کے نام' از ادارہ۔

(ب) حصۂ نظم: 'گلدستۂ عشق' (مثنویاں) از پروفیسر آغا حیدر حسن، 'مولانا شرر کا مرثیہ' از جمیل قدوائی، 'غزل' از محمد سجاد علی خاں تجل، 'کلام حسرت' از مولانا حسرت موہانی، 'کلام آزاد' از فضل حق آزاد عظیم آبادی، 'جذبِ مجذوب' از خواجہ عزیز الحسن مجذوب، 'جذباتِ بسمل' از مولوی سید امین الحسن بسمل موہانی، 'نظم' از جوشؔ ملیح آبادی، 'غزلیں' از صوفی منیری عظیم آبادی، 'مکالمۂ ریاض کا ایک جام' از ریاض خیرآبادی، 'غزل' از عزیز لکھنوی، 'رباعیات یگانہ' از مرزا یگانہ لکھنوی، 'غزل' از رگھوپتی سہائے فراق، 'جرأت رندانہ' از سید سجاد حیدر یلدرم، 'پارہ ہائے جگر' از جگر مرادآبادی، 'رباعیاتِ رواں' از جگت موہن لال رواں، 'لکھنؤ میں کوٹھی' از حامد اللہ افسر، 'حسنِ خیال' از جمیل قدوائی، 'غزل چورنگی' از مقبول حسین ظریف لکھنوی، 'حسنِ جہاں' از عبداللطیف تپش، 'فرشتے کی سیر' از جوشؔ ملیح آبادی، 'کلامِ اقبال' از علامہ اقبال۔

(۲) 'نیرنگِ خیال' جلد ۲۰، شمارہ ۱۲، دسمبر ۱۹۳۵ء کا شمارہ اس وقت ہمارے زیرِ مطالعہ ہے۔ یہ شمارہ درمیانی سائز کے عمدہ کاغذ کے ۲۵۰ صفحات پر خوب صورت گیٹ اپ اور دل کش اور بیل بوٹوں سے سجا سرورق بڑا جاذبِ نظر ہے، یہ سالنامہ نواب محمد مزمل اللہ خاں کے نام نامی سے منسوب ہے۔ اس کے مدیرِ اعزازی بدرالدین حسن، مدیر مسئول و مالک حکیم محمد یوسف حسن اور مدیر معاون سید فرید جعفری تھے۔ فہرستِ مضامین کے اوپری حصے پر یہ عبارت تحریر ہے: "نیرنگِ خیال ہندوستان بھر کے علمی، ادبی رسائل میں سب سے زیادہ چھپتا ہے"۔ اس سالنامے کے مضامین نثر اور نظم ملاحظہ فرمائیے:

(الف) حصۂ نثر: 'پیرایۂ اظہار' از اڈیٹر، 'پنجاب کے دو رتن' از ادارہ، 'فریب' (ایک عمدہ کہانی) از جناب قاضی عبدالغفار، 'استادی سید جالب دہلوی' (خاکہ) از شوکت تھانوی، 'نامۂ کیمبرج' (پروفیسر تاثیر کا خط) از تاثیر، 'مرزا غالب کے گھر میں ایک شام' (قصیدے کی سرگذشت) از پروفیسر تاثیر، 'میں افسانہ کیوں کر لکھتا ہوں' (خیالات و تاثرات) از ڈاکٹر اعظم کریوی، پروفیسر منشی علی عباس، سلطان حیدر جوشؔ، خواجہ حسن نظامی، مرزا فدا علی خنجر لکھنوی، سید فرید جعفری، مچھلی شہری وغیرہ، 'راجہ رنجیت سنگھ کی زندگی پر ایک نظر' (مقالۂ طب) شہنشاہ حسین رضوی لکھنوی، 'بٹیر بازی' (مزاحیہ) از خواجہ عبدالرؤف عشرت لکھنوی، 'قلمی فرس نامہ' (حضرت رنگین کا قلمی مخطوطہ) از حضرت مولانا وردہ کاکوروی، 'حضرت مخدوم نظام الدین قادری علوی' (تذکرہ) از منشی مہر احمد علوی، 'حکیم اور سلیم' (اسانیات) از مہر ولی اللہ، 'عربوں کے احسانات تہذیبِ یورپ پر' (مذہبیات) از جناب عنایت اللہ، 'تذکرۂ خسرو کا ایک ورق' (تحقیقی مضمون) از جناب مشیر احمد علوی ناظر کاکوروی (علیگ)، 'اردو شاعری میں عورت کا تخیل' (مضمون) از جناب اختر حسین رائے پوری، 'اصلاحِ ادب' از جناب اطہر علی آزاد، 'سید کی کئی' (مزاحیہ افسانہ) از سید طالب علی عابد الہ آبادی، 'مور مصفّٰی' (افسانہ) از محترمہ بلقیس جمال بریلوی، 'دل کی دو کروٹیں' (افسانہ) از جناب ظہیر انصاری دہلوی، 'گمنام عورت کا ایک خط' (افسانہ) از جناب ظفر قریشی دہلوی، 'گناہ کی تجارت' (ڈرامہ) از جناب مولانا جمیل مظہری لکھنوی، 'اوئیز' (مزاحیہ) از جناب سید اسد نوری فریدآبادی، 'جشن جی' (کہانی) از حضور اللہ بیگ صوفی، 'میں سونچھ رکھوں گا' (مزاحیہ مضمون) از جناب سید ناظم ہاشمی گیاوی، 'شیخ جی' (ظرافت) از جناب مولانا کوثر چاندپوری، 'عورت کا پیار' (قلمی ڈرامہ) از جناب آغا حشر کاشمیری، 'گناہ کی رات' (ڈرامہ) از جناب حکیم احمد شجاع، 'دو دھاری تلوار' (افسانہ) از جناب حکیم یوسف حسن، 'بغداد کی ایک رات' از جناب ل۔ احمد (لطیف احمد اکبرآبادی)، 'حق مغفرلہ' (افسانہ) از محترمہ نذر سجاد حیدر، 'ڈرامہ' (معلوماتی مضمون) از علامہ کیفی چریاکوٹی، 'مورتی' (افسانہ) از جناب ایم اسلم لاہوری۔

(ب) حصۂ نظم و شعر: 'یادِ ایام کی روشنی' از اختر شیرانی، 'شباب و شیب' از اکبر حیدری، 'عروس کی دیوالی' از احسان بن دانش کاندھلوی، 'غزل' از مظفر حسین شمیم، 'غزل' از پروفیسر تاثیر، 'ان من داری' (ماہیے) از ماسٹر عابد بسوانی، 'سفارت' از منظور قادر، 'نعرۂ فروش' از جوشؔ ملیح آبادی، 'غزل' از حاجی محمد طیب، 'باغباں' از مولانا عبدالمجید سالک مدیر 'انقلاب' لاہور، 'کرما' از اسد ملتانی، 'ٹوٹا ہوا کھنڈر' از شاکر میرٹھی، 'شمعِ محفل' از ڈاکٹر مرزا عبدالرحمٰن بھاگلپوری، 'آؤ' از ساغر نظامی، 'تبرکاتِ ریاض' از ریاض خیرآبادی، 'رشحاتِ عالیہ' از پروفیسر رضا علی وحشت، 'غزل' از پنڈت امرناتھ ساحر دہلوی، 'طرزِ یگانہ' از مرزا یگانہ لکھنوی، 'غزل' از جعفر علی خاں اثر لکھنوی، 'غزل' از مولانا شفیق رضوی، 'غزل' از سراج لکھنوی، 'لذتِ غم' از آشفتہ لکھنوی، 'جذباتِ عالیہ' از نوح ناروی، 'نوائے فراق' از فراق گورکھپوری، 'محبت دل سے ہوتی ہے' از حسین مچھلی شہری، 'غزل' از عبدالباری آسی، 'غزل' از منظر اکبرآبادی، 'عشق کی مہربانیاں' از وحید الدین بیخود دہلوی، 'غزل' از اطہر علی آزاد وغیرہ کی شعری تخلیقات اس سالنامے کی زینت ہیں۔

اس تحقیقی و تعارفی مضمون کو تحریر کرنے کا ہمارا مقصد یہی ہے کہ نئی نسل اردو کے ان قدیم و معروف ادبا، شعرا اور مصنفین سے واقف ہو جنھیں وہ اس جدید اور مادی دور میں بھلا بیٹھی ہے۔ ○○

اردو دُنیا

اردو اساتذہ کے ساتھ محکمہ تعلیم کی ناانصافی جاری

نئی دہلی (۱۰ستمبر)۔ اردو زبان کے ساتھ حکومتوں کی ناانصافی مسلسل جاری ہے۔ کانگریس کے دور حکومت میں بھی اردو سرکاری سطح پر اپنی زبوں حالی پر اشک بار تھی اور اب دہلی میں ایل جی کی سرپرستی میں بھی اردو بے حال ہے۔ حکومتیں تو بدلتی رہتی ہیں مگر محکمہ تعلیم اپنی جگہ قائم رہتا ہے، اس کا سیدھا مطلب یہ ہوا کہ محکمہ تعلیم جان بوجھ کر اردو کے ساتھ زیادتیاں کرتا آرہا ہے اور اس کے متعصبانہ رویے کی وجہ سے اردو سرکاری زبان ہونے کے باوجود سرکار تو کیا سرکاری اسکولوں سے بھی دور ہوتی جارہی ہے۔ گزشتہ دنوں ٹی جی ٹی اردو ٹیچرز کی کل 210 اسامیاں نکالی گئی تھیں، امیدواروں نے آن لائن فارم بھی بھرے، ایک ہفتہ بعد جب رزلٹ آیا تو معلوم ہوا کہ صرف 41 امیدوار ہی اہل قرار دیے گئے، باقی 169 کو سی ٹیٹ کلیئر نہ ہونے کی وجہ سے نااہل قرار دے دیا گیا۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ ان منتخب کیے گئے 41 امیدواروں کو ۲۹ اگست کو اسکولوں میں چارج سنبھالنا تھا مگر کچھ اساتذہ کو چھوڑ کر باقی اساتذہ کو اسکولوں نے لینے سے صاف انکار کردیا اور جوائننگ کی تاریخ پھر ۲۹ اگست کے بعد ۶ ستمبر کردی گئی لیکن آج بھی ان لوگوں کی بھرتی نہیں ہو پائی۔

پہلی میرٹ لسٹ کے بعد دوسری لسٹ ایک ہفتے بعد ہی جاری کی جانی تھی جس میں ان امیدواروں کا انتخاب ہوتا جنھوں نے ٹی ای ٹی کیا ہو۔ اس لسٹ کے ذریعے بھی کافی امیدواروں کا سلیکشن ہو جاتا مگر یہ لسٹ بھی جاری نہیں کی گئی۔ اس کے علاوہ ایس ایس اے کے اساتذہ کو 27,300 روپے تنخواہ دی جاتی ہے جب کہ ان اردو کے اساتذہ کو روزانہ 700 روپے کے حساب سے پیسہ دیا جاتا ہے جب کہ دونوں کیٹیگری کے اساتذہ کا معیار مساوی ہے۔ دوسری جانب اگر ڈسٹرکٹ کے حساب سے اردو اساتذہ کے تقرر کا جائزہ لیا جائے تو بہت حیران کرنے والے نتائج سامنے آتے ہیں۔ کوئی بھی ڈسٹرکٹ ایسا نہیں ہے جہاں اردو اساتذہ کی تمام اسامیاں پُر کی گئی ہوں۔ قومی کمیشن برائے اقلیتی تعلیمی ادارہ جات (نارتھ ایسٹ) کے کوآرڈینیٹر مظفر علی خاں نے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ جب تک مستقل ٹیچر مقرر نہ کیے جائیں اس وقت تک بھی اردو اساتذہ کو ریگولر کیا جائے جس طرح کارپوریشن میں کیا جاتا ہے، وہاں ہر سال فارم نہیں بھرا جاتا بلکہ سبھی کو ریگولر کردیا جاتا ہے۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ ایس ایس اے کے اساتذہ کی تنخواہ کے مساوی ان اردو اساتذہ کی تنخواہ کی جائے اور جن لوگوں نے ایم اے اردو میں کیا ہے ان پر سے بی اے اردو کی شرط بھی ختم کی جائے۔

(انقلاب۔ دہلی)

عدالت کے فیصلے سے اردو مترجمین میں خوشی

کھتولی/مظفرنگر (۱۷ستمبر)۔ محکمۂ پولیس میں تعینات اردو مترجموں کے تبادلے اب ریاستی سطح پر نہیں ہوں گے۔ ہائی کورٹ کے حکم سے محکمۂ پولیس میں تعینات مترجموں میں عدالت کے اس فیصلے سے خوشی کا ماحول ہے۔ ضلع کے 14 مترجمین سمیت ریاست کے 1432 اردو مترجمین کو راحت مل گئی ہے۔

کیمپ دفتر میں ہوئی اترپردیش اردو انوادک ایوم کرمچاری سنگھ کی میٹنگ میں ہائی کورٹ کے فیصلے کا خیر مقدم کیا گیا۔ ضلع صدر محمد مستقیم و ضلع سکریٹری لئیق احمد نے بتایا کہ ۱۹۹۷ء میں پولیس ہیڈکوارٹر الٰہ آباد کے ذریعے اردو مترجموں کی ٹرانسفر پالیسی وضع کی گئی تھی جس کے تحت محکمۂ پولیس میں تعینات اردو مترجمین کو ایک ضلع سے دوسرے ضلع میں تبادلے کیے گئے تھے۔ اس پالیسی کے خلاف ضلع میں تعینات اردو مترجم تراب الدین وغیرہ نے ۱۹۹۸ء میں ہائی کورٹ کا دروازہ کھٹکھٹایا تھا جس پر ہائی کورٹ نے اردو مترجموں کو اسٹے دے دیا تھا۔ طویل قانونی لڑائی کے بعد ہائی کورٹ کے فاضل جج سدھیر اگروال نے فریقین کی سماعت کے بعد ۲۰۱۳ء میں فیصلہ محفوظ کرلیا تھا۔

۱۷ستمبر ۲۰۱۳ء کو ہائی کورٹ نے فیصلہ سناتے ہوئے محکمۂ پولیس میں تعینات اردو مترجموں کے معاملے میں بنائی گئی تبادلے کی پالیسی کو مسترد کرتے ہوئے کہا ہے کہ اردو مترجمین پولیس فورس کے رکن نہیں ہیں۔ عدالت کے اس فیصلے سے اردو مترجمین میں خوشی کا ماحول ہے۔

(راشٹریہ سہارا۔ دہلی)

زینت محل اسکول جعفرآباد میں اردو اساتذہ کی تقرری کا مطالبہ

نئی دہلی (۱۱ستمبر)۔ مشہور سماجی کارکن جناب عبدالعلیم برنی نے یمنا وہار میں واقع شمال مشرقی ضلع کے ڈائرکٹر ایجوکیشن سے ملاقات کی اور ایک عرض داشت دے کر مطالبہ کیا ہے کہ زینت محل اسکول میں اردو اساتذہ کی تقرری عمل میں لائی جائے اور ساتھ ہی نویں سے بارہویں جماعت تک کے اردو کورس بچوں کو وقت پر ملنے کو یقینی بنایا جائے تاکہ زینت محل کی ہزاروں لڑکیوں کی پریشانی دور ہو سکے۔ عبدالعلیم برنی نے بتایا کہ اگر ایجوکیشن ڈائرکٹر نے اساتذہ کی تقرری کے لیے کوئی اقدام نہیں کیا تو وہ محبان اردو کے ساتھ ایجوکیشن ڈائرکٹر آفس کے سامنے دھرنے پر اس وقت تک بیٹھ جائیں گے جب تک جعفرآباد کے زینت محل اسکول میں اردو اساتذہ کی تقرری نہیں ہوجاتی۔ واضح رہے کہ اس اسکول میں طویل عرصے سے اردو اساتذہ کی کمی محسوس کی جارہی ہے۔ اس سلسلے میں مختلف تنظیموں اور سرکردہ افراد نے وقتاً فوقتاً بچوں کے روشن مستقبل کے پیش نظر اردو اساتذہ کی تقرری کا مطالبہ کیا ہے۔

(راشٹریہ سہارا۔ دہلی)

اردو کے حق میں سپریم کورٹ کے تاریخی فیصلے کے بعد انجمن ترقی اردو الٰہ آباد کا حکومت اترپردیش سے مطالبات

الٰہ آباد (پریس ریلیز)۔ انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ الٰہ آباد اپنے اس اعتماد کا اظہار کرتی ہے کہ ہم محبان اردو کو سپریم کورٹ کی عدالت اور افضلیت پر پورا بھروسہ تھا کہ اردو کو انصاف ملے گا اور عدالت نے اردو کو اس کا آئینی حق دیا، جو ہمارے لیے انتہائی مسرت کی بات ہے۔ یہ خوشی کی بات ہے کہ اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دینے کے لیے جو قانون اسمبلی نے ۱۹۸۹ء میں پاس کیا تھا اس کو عدالتِ عظمیٰ نے درست، قانونی اور آئینی قرار دے کر یہ ثابت کردیا کہ مجلس قانون سازیہ کا فیصلہ آئین ہند کے عین مطابق تھا۔ اس سلسلے میں انجمن اترپردیش سرکار سے چند مطالبات کرتی ہے جو حسب ذیل ہیں:

۱- سرکار اترپردیش تعلیمی ایکٹ کے حق تعلیم (Right to Education) کے تحت اردو والوں کو ابتدائی درجات میں اپنی مادری زبان میں تعلیم حاصل کرنے کا حق عطا کرے جس سے انھیں ابھی تک محروم رکھا گیا ہے۔

۲- تمام سرکاری گزٹ، نوٹیفکیشن اور اطلاعات ہندی کے ساتھ ساتھ اردو زبان میں بھی شائع کیے جائیں۔

۳- تمام سرکاری اشتہار ہندی وانگریزی اخبارات کے ساتھ ساتھ اردو اخبارات میں بھی دیے جائیں، جس سے اردو داں حضرات کو بھی سرکاری اسکیموں کے متعلق اطلاع ہو سکے۔

۴- جن سرکاری دفاتر میں اردو مترجمین کی تقرری ابھی نہیں ہوئی ہے وہاں اردو مترجمین کی تقرری جلد از جلد کی جائے۔

۵- تمام سرکاری دفاتر میں یہ اشتہار کیا جائے کہ اردو زبان میں موصول ہونے والی درخواستوں پر بھی فوری غور کیا جائے گا۔

۶- تمام سرکاری و نیم سرکاری دفاتر میں ناموں وعہدوں کی تختی ہندی وانگریزی کے ساتھ ساتھ اردو میں بھی لگوائی جائیں۔

ایجوکیشن ڈائرکٹوریٹ کے مائناریٹی سیل کو دوبارہ سرگرم کیا جائے

طلبہ پر جبراً سنسکرت تھوپنے والوں کے خلاف کارروائی ہونی چاہیے

نئی دہلی (۲۰ستمبر)۔ دہلی اسکول ایجوکیشن ایکٹ ۱۹۷۳ء، ڈی ایس ای کے رولز اور آئین چھٹی سے دسویں جماعت تک کے طلبہ کو تیسری زبان کے طور پر اپنی مادری زبان پڑھنے کا حق دیتا ہے لیکن دہلی سرکار کا ایجوکیشن ڈائرکٹوریٹ اقلیتوں بالخصوص مسلم طلبہ کا یہ حق مسلسل سلب کررہا ہے، اس لیے اقلیتی کمیشن کو اس تعلق سے ضروری قدم اٹھانے چاہیے۔ یہ بات نوائے حق ویلفیئر ایسوسی ایشن کے ایک وفد نے دہلی اسٹیٹ اقلیتی کمیشن کے چیئرمین قمر احمد سے ملاقات کے دوران کہی۔

وفد کی جانب سے ایسوسی ایشن کے صدر اسد غازی اور محمد عجیب نے قمر احمد کو یوٹیوب پر موجود ویڈیو کلپنگ کے ذریعے بتایا کہ کس طرح دہلی سرکار کے اسکولوں میں مسلم طلبہ کو تیسری زبان کے طور پر اردو کی جگہ سنسکرت پڑھنے پر مجبور کیا جارہا ہے۔ انھوں نے کہا کہ دہلی اقلیتی کمیشن ایکٹ ۱۹۹۹ء کے تحت کمیشن کو ایسے لوگوں کے خلاف اقدام کرنے چاہئیں جو طلبہ اور ان کے والدین کی مرضی کے خلاف ان پر سنسکرت تھوپنے کے لیے تیار ہیں۔ انھوں نے قمر احمد سے یہ مطالبہ بھی کیا کہ ایجوکیشن ڈائرکٹوریٹ کے مائناریٹی سیل کو دوبارہ سے سرگرم کیا جائے تاکہ وہ ڈائرکٹوریٹ آف ایجوکیشن میں اقلیتوں سے متعلق معاملات پر نظر رکھ سکے۔

وفد نے اقلیتی کمیشن کے چیئرمین کو مزید بتایا کہ ایجوکیشن ڈائرکٹوریٹ کے مائناریٹی سیل کے نوڈل آفیسر نے ۲۹ جولائی ۲۰۱۱ء کو ایک سرکلر جاری کرکے ڈپٹی ڈائرکٹر ایجوکیشن سے تمام سرکاری اسکولوں کے اردو طلبہ اور اسٹاف کے بارے میں رپورٹس پیش کرنے کو کہا تھا لیکن اس سلسلے میں کوئی مناسب اقدام نہیں کیے گئے۔ انھوں نے بتایا کہ دہلی میں 1107 سرکاری، 216 سرکار سے امداد یافتہ اور 1277 سرکار سے منظور شدہ اسکول ہیں جہاں چھٹی سے دسویں جماعت تک تیسری زبان کے طور پر طلبہ اپنی مادری زبان کا انتخاب کرسکتے ہیں لیکن عملی طور پر ایسا ہونے نہیں دیا جارہا ہے۔ اقلیتی کمیشن کے چیئرمین قمر احمد نے وفد کی تمام باتوں کو بغور سننے کے بعد انھیں یقین دلایا کہ وہ اس معاملے میں ذاتی طور پر ایجوکیشن ڈائرکٹوریٹ کے افسران سے بات کریں گے اور کوشش کی جائے گی کہ اس تعلق سے کوئی مناسب عمل کیا جائے۔

(راشٹریہ سہارا۔ دہلی)

اختیاری مضمون اردو کے لیے ٹیچر نہیں

چاند نگر کے اسکول نمبر ۱ میں دو سال پہلے آرڈر ہونے کے باوجود اردو ٹیچر مقرر نہیں کیا گیا

نئی دہلی (۱۱ر ستمبر)۔ مغربی دہلی کے بیشتر اسکولوں میں اردو پڑھنے والے طلبہ کے لیے استاد ہی نہیں ہیں۔ جن طلبہ نے اردو زبان بہ طور اختیاری مضمون لی ہے وہ اردو کے پیریڈ میں دوسری زبانیں پڑھنے پر مجبور ہیں، کیوں کہ انھیں اردو پڑھانے والا کوئی ٹیچر ہے ہی نہیں۔

منگول پوری کے ایچ بلاک کے سروودیہ کنیا ودیالیہ میں تقریباً 300 بچوں کے باوجود تین مہینے سے کسی بھی ورگ میں اردو ٹیچر دستیاب نہیں ہیں، اب ان کو یہ فکر ستا رہی ہے کہ کچھ دن بعد امتحان ہوں گے تو اس وقت اردو کے پیپر میں کیا جواب دیں گے۔ خیال کے چاند نگر کے اسکول نمبر ۱ میں دو سال پہلے اردو استاد کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے ڈائرکٹر آف ایجوکیشن نے اردو ٹیچر مہیا کرانے کا آرڈر پاس کیا تھا مگر آج تک چاند نگر کے اسکول میں اردو ٹیچر مقرر نہیں کیا گیا۔ سہارا کے نمائندے نے مغربی دہلی اور شمال مغربی دہلی کے ڈائرکٹر آف ایجوکیشن سے اس بابت کئی مرتبہ بات کرنے کی کوشش کی مگر یہ لوگ اردو کا نام سنتے ہی کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر فون تک کاٹ دیتے ہیں، اس لیے اردو سے محبت رکھنے اور اردو کے فروغ کے لیے کام کرنے والے لوگ اردو کے ساتھ ہونے والے سوتیلے رویے کے خلاف مورچہ کھولیں اور ان پر دباؤ بنائیں تاکہ ہمارے بچے اردو سے محروم نہ رہیں، کیوں کہ جب تک بچے اردو نہیں پڑھیں گے تب تک اردو کے فروغ میں اضافہ نہیں ہوگا۔

(راشٹریہ سہارا، دہلی)

نئے پولیس اسٹیشنوں کے بورڈوں سے اردو غائب

حیدرآباد (۱۲ر ستمبر)۔ اردو زبان کی ترقی و ترویج کے حکومت کے وعدے اتنے ہی کھوکھلے ثابت ہوتے رہے ہیں جتنا کہ سرکاری اسکیموں سے مسلمانوں کو مستفید کرنے کے دعوے، خاص کر اردو زبان کے تعلق سے سرکاری عہدیداروں کا تعصب پسندانہ رویہ تبدیل ہوتا ہوا نظر نہیں آتا۔ اگرچہ شہر حیدرآباد کے بیشتر سرکاری دفاتر اور محکموں وغیرہ پر بھی اردو تحریر نظر نہیں آتی، مگر آج ہم صرف پولیس اسٹیشنوں کے سائن بورڈز کے بارے میں بتانا چاہیں گے جہاں حضور نظام کے زمانے میں سارے پولیس اسٹیشنوں کے نام دیگر زبانوں کے ساتھ اردو تحریر میں جلی حرفوں میں درج کیا جاتا تھا، مگر آج نئے پولیس اسٹیشن تو دور وہ پولیس اسٹیشن جو حضور نظام کے دور میں تعمیر کیے گئے تھے ان کے سائن بورڈ سے بھی اردو تحریر بتدریج معدوم ہوتی جارہی ہے، حالاں کہ آزادی سے قبل یہ زبان ملک کے ہر شہری کی آن بان اور شان ہوا کرتی تھی، ملک کے لیے مرمٹنے کا جذبہ رکھنے والا ہر شہری چاہے وہ کسی مذہب کا ہو اپنے انقلابی جذبات کا اظہار اردو زبان میں ہی کرنے کو فخر تصور کرتا تھا۔ اردو زبان مذہبی رواداری کی بہترین مثال ہوا کرتی تھی، اس کی ایک مثال منگل ہاٹ کے علاقے میں واقع 73 سالہ قدیم مندر ہے جس پر مندر کا نام ایک پتھر پر اردو میں کندہ ہے، یہ تحریر آزادی سے پہلے کے شہریوں کی رواداری اور قومی یکجہتی کی مظہر ہے۔

جہاں تک پولیس اسٹیشنوں پر اردو سائن بورڈ کا معاملہ ہے تو چند ایک پولیس اسٹیشن پر اردو تحریر درج ہے تاہم سوال یہ ہے کہ چند ایک ہی پولیس اسٹیشن کے نام ہی اردو میں کیوں؟ تمام پولیس اسٹیشنوں کے نام اردو میں درج کیوں نہیں؟ جس طرح تمام پولیس اسٹیشن کے سائن بورڈس خواہ وہ نیا ہو یا پرانا، پر تیلگو اور انگریزی میں نام تحریر کیا گیا ہے اسی طرح تمام پولیس اسٹیشنوں کے نام اردو میں بھی درج کیوں نہیں کیے جاتے؟ حکومت کے اعلانات کے مطابق سرکاری سطح پر ہی اردو پر عمل آوری نہیں کی گئی تو خانگی اور عوامی سطح پر اس عمل آوری کو کون خاطر میں لائے گا؟ مثال کے طور پر نظام حکومت کے پولیس اسٹیشن جیسے گھانسی بازار پولیس اسٹیشن، کمال پورہ پولیس اسٹیشن، چندرائن گٹہ پولیس اسٹیشن، [illegible] اور پولیس اسٹیشن، مشیرآباد پولیس اسٹیشن، چادر گھاٹ پولیس اسٹیشن وغیرہ ایسے پولیس اسٹیشنس ہیں جہاں آج بھی پولیس اسٹیشنوں کے نام کی قدیم تختی اردو میں موجود ہے جسے مزید عیاں کرنے کی ضرورت ہے۔ تاہم شہر میں جو نئے پولیس اسٹیشن تعمیر ہورہے ہیں خاص کر سائبرآباد حدود میں موجود پی ایس کے سائن بورڈوں پر اردو تحریر کو مکمل طور پر نظر انداز کردیا گیا ہے، اس لیے حیدرآباد کے تمام شہری خاص کر محبان اردو کا تلنگانہ کی پہلی حکومت کے پہلے چیف منسٹر سے مطالبہ ہے کہ وہ اس زبان سے انصاف کرتے ہوئے تمام پولیس اسٹیشنوں کے سائن بورڈس کو اردو میں بھی تحریر کروانے کے احکام جاری کریں کیوں کہ عوام کا خیال ہے کہ ریاست تلنگانہ کو پہلی بار ایسا چیف منسٹر ملا ہے جو واضح طور پر اردو زبان میں خطاب کرسکتا ہے، بول سکتا ہے اور سمجھ سکتا ہے جب کہ ان کے پیش رو میں یہ خصوصیت نہیں پائی جاتی تھی۔ بہرحال محبان اردو کو امید ہے کہ کے سی آر حکومت سنجیدگی سے اس مسئلے پر توجہ دیتے ہوئے شہر کے تمام پولیس اسٹیشنوں کے سائن بورڈس اردو میں تحریر کرنے کے احکام جاری کرتے ہوئے اس پر عمل آوری کو یقینی بنائیں گے۔

(سیاست۔ حیدرآباد)

ایس آئی ای آر ٹی اودے پور راجستھان میں

اردو اساتذہ کا تربیتی پروگرام

اودے پور (پریس ریلیز)۔ یونیسیف کے تعاون سے SIERT اودے پور کے سیمینار ہال میں منعقد اردو اساتذہ کا پانچ روزہ (۲۵ر اگست تا ۲۹ر اگست ۲۰۱۴ء) تربیتی پروگرام کا افتتاح ڈپٹی ڈائرکٹر جناب رام بابو ویاس نے کیا۔ انھوں نے کہا کہ راجستھان کے اردو اساتذہ کو لازمی طور پر یہ تربیت دی جائے گی جس کی شروعات کوٹہ اور باراں ضلعوں سے کی گئی ہے۔ اس کا مقصد این سی ایف ۲۰۰۵ء کے مطابق نئے تدریسی طریقوں سے طفل مرکوز تعلیم کو عام کیا جائے گا۔

دوسرے دن ڈاکٹر عزیز اللہ شیرانی اور ضیاء الحسن قادری نے این سی ایف ۲۰۰۵ء کے مطابق تدریس کے جدید طریقوں کا استعمال، کلاس روم، ماحول اور اساتذہ کی شمولیت پر زور دیا۔ تدریس کے مقاصد زبان کی مہارتیں، منصوبہ سبق، محروم طلبہ کی تعلیم پر مذاکرہ مباحثے اور عملی سرگرمیوں کے ساتھ اساتذہ کو تربیت دی گئی۔ تیسرے، چوتھے اور پانچویں دن مندرجہ ذیل موضوعات پر تربیت دی گئی: تدریس میں تعمیر پسندی کا رجحان، تدریس نثر، نظم، درسی معاون اشیاء، زبان کی ساخت، ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ، مختلف اصناف کی تدریس، ذولسانی اور کثیر لسانی تدریس، سیکھنے کی سطح کے مطابق تدریس، عملی قواعد، صوبے میں اردو تعلیم کا پس منظر، مسائل اور حل، اردو کا مروجہ تعلیمی نظام، اصلاحی اور تدارکی تدریس۔

آخری دن ڈاکٹر عزیز اللہ شیرانی نے پروگرام کے اختتام پر اساتذہ کی آخری جانچ کی تکمیل کی اور یہ واضح کیا کہ راجستھان میں NCERT کی کتابیں اسکولوں میں پڑھائی جارہی ہیں ان سے طلبہ کے معیار میں خاطر خواہ اضافہ ہوگا۔ راجستھان میں اس نوعیت کا یہ اولین تربیتی پروگرام ہے اور ایس آئی ای آر ٹی اودے پور کا یہ خوش آئند قدم ہے۔

اردو زبان کی فروغ سے متعلق

مرکزی اسکیم کو بند کرنے کی سازش

لکھنؤ (۱۳ر ستمبر)۔ مرکز میں حکومت تبدیل ہوتے ہی مرکزی اداروں کے افسران کے رویے میں تبدیلی آگئی ہے، خاص طور پر اردو سمیت دیگر علاقائی زبانوں کے فروغ کے سلسلے میں تساہلی اور بے توجہی کا مظاہرہ کیا جارہا ہے۔ یہ مظاہرہ نئی حکومت کو بدنام کرنے کی غرض سے کیا جارہا ہے یا اس کے اشارے پر یہ تو وہ افسران ہی جانتے ہیں، لیکن ان کی اس بے توجہی اور تساہلی کے سبب درجنوں افراد کے روزگار نیز سیکڑوں افراد کے دوسری زبان سیکھ کر اپنے علم میں اضافہ کرنے کی خواہش معدوم ہوتی جارہی ہے۔ یہ معاملہ ہے سینٹرل انسٹی ٹیوٹ آف انڈین لینگویجز (CIIL) میسور کے علاقائی مراکز کا، جس کے تحت لکھنؤ میں بھی ایک مرکز (یو آر سی) قائم ہے۔ اس مرکز پر سرکاری، نیم سرکاری اور پرائیویٹ تعلیمی اداروں میں تدریسی خدمات انجام دینے والے اساتذہ، جن کی مادری زبان اردو نہیں، کو اردو زبان پڑھائی و سکھائی جاتی ہے تاکہ وہ اساتذہ ریاست کی دوسری سرکاری زبان سیکھ کر اپنے علم میں اضافہ کرسکیں، ضرورت پڑنے پر اردو میں پرائمری سطح تک تدریسی خدمات بھی انجام دے سکیں۔ حکومت کی منشا اس کے ذریعے سے قومی یکجہتی کو فروغ دینا ہے کیوں کہ ان مراکز پر ایک تہذیب و ثقافت کے لوگوں کو دوسری تہذیب و ثقافت سے روشناس کرایا جاتا ہے۔ اس طرح مرکز میں تعلیم و تربیت حاصل کرنے والے افراد ایک سے زائد تہذیبوں سے روشناس ہوجاتے ہیں۔ ایسے مراکز لکھنؤ کے علاوہ دیگر کئی شہروں میں بھی قائم ہیں۔ ان مراکز میں لکھنؤ اور سولن (ہماچل

(بقیہ صفحہ ۷ پر)

رفتید ولے نہ از دل ما

نئی دہلی۔ دہلی کے معروف افسانہ نگار، شاعر اور پبلشر جناب عادل اسیر دہلوی کا ۲۰ر ستمبر ۲۰۱۴ء کو مختصر علالت کے بعد انتقال ہوگیا۔ (یہ بھی ایک اتفاق ہے کہ انھوں نے اسی دن اپنی زندگی کے 55 سال مکمل کیے تھے اور ۲۱ر ستمبر کو ان کی سالگرہ تھی)۔ بعد نماز عصر مسجد فیض الٰہی میں ان کی نماز جنازہ پڑھائی گئی اور تدفین دہلی گیٹ قبرستان میں عمل میں آئی۔ اس موقعے پر کئی ادیب، شاعر اور صحافی بھی موجود تھے۔ بچوں کے ادیب کے طور پر اپنی شناخت بنانے والے عادل اسیر کی پیدائش ۲۱ر ستمبر ۱۹۵۹ء کو پرانی دہلی کے ترکمان گیٹ علاقے میں ہوئی تھی۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم دہلی میں ہی حاصل کی اس کے بعد آگرہ یونیورسٹی سے اردو میں ایم۔ اے کیا، اس کے علاوہ پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل اور ایران کلچرل ہاؤس دہلی سے فارسی کی سند بھی حاصل کی۔ وہ پنجابی زبان سے بھی واقف تھے۔ عادل اسیر نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز شاعری اور افسانہ نگاری سے کیا۔ انھوں نے کئی افسانے لکھے اور عام روش کی شاعری بھی کی لیکن جلد ہی وہ بچوں کے ادب کی طرف راغب ہوگئے اور بچوں کے ادیب کے طور پر شناخت اور مقبولیت حاصل کی۔ علمی، ادبی اور ادب اطفال کے سلسلے میں اُن کی خدمات کے اعتراف میں دہلی اردو اکادمی، اترپردیش اردو اکادمی، مہاراشٹر اور مغربی بنگال کی اکیڈمیوں کے علاوہ ساہتیہ اکیڈمی نے اپنے ایوارڈ سے انھیں سرفراز کیا تھا۔ انھوں نے اپنا ایک پبلشنگ ہاؤس 'ملک بک ڈپو' کے نام سے قائم کیا اور بچوں کے لیے کم قیمت کی کتابیں شائع کیں۔ انھوں نے فارسی میں بچوں کے ادب کا اردو میں منظوم ترجمہ کیا اور بچوں کے لیے بے شمار کتابیں شائع کیں۔ ان میں ننھی منی نازنین، بوجھو تو جانیں، پہیلیاں، اکڑ بکڑ، بچوں کے اسماعیل، چڑیا گھر کے اندر، ہمارے سائنس داں، بچوں کی دیکھ بھال وغیرہ شامل ہیں۔

ادارہ 'ہماری زبان' مرحوم کے لیے مغفرت اور پس ماندگان کے لیے صبر جمیل کی دعا کرتا ہے۔ (ادارہ)

نئی کتابیں

تبصرے کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

نام کتاب : کتابیاتِ مجیب
مرتب : ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی
ضخامت : ۱۹۲ صفحات
قیمت : ۲۵۰ روپے
ملنے کا پتا : ادبی دائرہ، رحمت نگر پورہ غلامی، اعظم گڑھ-۱
تبصرہ نگار : سعید اختر اعظمی
sakhtar0075@gmail.com

اشاریے رسائل و جرائد کا ہو یا شخصیات کے فکری و فنی سفر کا بہر طور اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ وہ تفصیلات جو مختلف کتب یا جریدوں کے صفحات میں منتشر ہوتی ہیں اس کا ایک اجمالی خاکہ اشاریے کے توسط سے سامنے آجاتا ہے۔ اس سے قاری کو یہ علم ہوجاتا ہے کہ مذکورہ شخصیت نے اپنی زندگی میں کیا کچھ کیا ہے اور اس کے معتبر حوالوں کی رسائی کہاں تک ہے۔ معروف عالم دین مولانا مجیب اللہ ندوی نے بھی اپنی حیات میں جو کچھ تحریر کیا اس کے بارے میں جاننے کی خواہش عین فطری ہے۔ کتابیں ہوں یا رسائل و جرائد جو کچھ سپرد خامہ کیا گیا اسے یقیناً منظرِ عام پر لانا لازمی ہے۔

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کی 'کتابیات مجیب' جامعۃ الرشاد کے بانی (1962) کے تحقیقی و تصنیفی حوالے کو اجمالی سطح پر منتشر کرتی ہے۔ انھوں نے ماہنامہ 'الرشاد' اور ماہنامہ 'معارف' کے علاوہ دیگر جریدوں کے لیے بھی تواتر سے مضامین لکھے۔ کتاب کے آغاز میں 'تذکرۂ ماہ و سال' کے تحت ان کے تفصیلی کوائف کو یکجا کیا گیا ہے۔ حصہ اول 'تصنیفات و تالیفات اور رسائل' ہے جس میں 38 کتابوں کا چند سطری تعارف، مشمولات اور پبلشر کا اندراج ہے جب کہ بعض میں صرف ناشر کا نام دینے پر ہی اکتفا کیا گیا ہے۔ 'مضامین و مقالات باعتبار حروف تہجی' کے ابتدائی حصے میں الف تا ی متنوع موضوعات پر سپرد خامہ کی گئی علمی کاوشوں کو نذر قارئین کیا گیا ہے تو حصہ دوم میں اسی ترتیب کو آپ بیتی، اسفار، اسلامی تاریخ، اسلامی تاریخ: زراعت، بین الاقوامی تعلقات، تاریخ ہند، تصوف اور اہل تصوف، حدیث اور متعلقات حدیث، فقہ، فقہ اجتہاد، فقہ: جدید مسائل، فقہ: خواتین کے مسائل، فقہی سیمینار، دینی تعلیم و تربیت، دینی مدارس، سیرت اور متعلقات سیرت، شخصیات، وفیات، شعریات، شیعیت، عقائد و عبادات، فارسی ادب، فلسفہ، قرآنیات، کانفرنس، کنونشن، سیمینار، ملی کونسل، معاشرت اور متفرقات کو سمویا گیا ہے۔ 'تبصرہ کتب' میں اسی الفبائی ترتیب کا خیال رکھا گیا ہے۔ 'تراجم' کے تحت صرف تین کتابوں کو شامل کیا گیا ہے جن کی تفصیلات فاضل مرتب کو نہیں مل سکیں۔ 'مطالعۂ مجیب' میں کتب کے تحت ڈاکٹر عبداللہ عباد، فاضل مرتب کتب ہٰذا اور ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی کی کتابوں کی تفصیلات درج ہیں جب کہ مضامین (کتابوں) کے تحت 41 اہل قلم کا ذکر یہاں موجود ہے۔ اس کا تیسرا حصہ 'مضامین (رسائل میں)' ہے جس میں 93 قلم کاروں کی تحریروں کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔

مرتب کی یہ عرق ریزی مجیب اللہ ندوی پر تحقیقی کام کرنے والوں کے لیے یقیناً خاصے کی چیز ہے اور ان کی رہنمائی کے لیے امتیازی سنگ میل بھی۔

●●●

نام کتاب : تذکرۂ معاصر شعرائے ٹونک
مصنف : ڈاکٹر عزیز اللہ شیرانی
ضخامت : ۲۳۳ صفحات
قیمت : ۱۵۰ روپے
ناشر : راجستھان اردو اکادمی جے پور
تبصرہ نگار : ڈاکٹر ضیاء الحسن قادری

راجستھان میں تذکرہ نویسی کی شروعات مولانا احترام الدین شاغل نے کی تھی۔ انھوں نے راجستھان کا پہلا تذکرہ 'تذکرۂ شعرائے جے پور' لکھا اور اس صوبے میں تذکرائی ادب کا آغاز کیا۔ اس کے بعد راجستھان میں ریاست وار تذکرے لکھے گئے۔ بیکانیر، جودھپور، اجمیر، کوٹہ اور اودے پور کے تذکرے لکھے جاچکے ہیں۔ اسی ضمن میں ڈاکٹر عزیز اللہ شیرانی کا 'تذکرۂ معاصر شعرائے ٹونک' بھی ۲۰۱۳ء میں منظر عام پر آچکا ہے۔

یوں تو عزیز اللہ شیرانی کی بہت سی کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں، جو تحقیق، تدریس اور تنقید سے متعلق ہیں لیکن 'تذکرۂ معاصر شعرائے ٹونک' اس لیے اہم ہے کیوں کہ اس میں تاریخ، تحقیق اور تنقید کا امتزاج دیکھنے کو ملتا ہے۔ اس تذکرے کا مقدمہ خود عزیز اللہ شیرانی نے لکھا ہے۔ یہ مقدمہ اختصار اور جامعیت کا شاندار نمونہ ہے۔ اگر اسے ٹونک کی مختصر ادبی تاریخ کہا جائے تو میرے نزدیک کوئی قباحت نہیں ہے۔ اس مقدمے میں اسلامی ریاست ٹونک کے قیام اور اس کے تمام حکمرانوں کی ادبی خدمات اور ان کے دور حکومت میں موجود شعرا اور اُدبا کی کاوشوں اور ادبی سرگرمیوں کا بھرپور جائزہ لیا گیا ہے۔ اس تذکرے کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ اول فرماں روائے ٹونک نواب امیر الدولہ بہادر کے زمانے سے ہی ریاست ٹونک علم و ادب کا گہوارہ بن گئی تھی اور یہاں بڑے پیمانے پر نواب محمد وزیر خاں بہادر کا ذکر کیا گیا ہے جن کی پرورش لال قلعہ (دہلی) میں ہوئی، جہاں ان کی ملاقات مومن، غالب، ذوق، ظفر وغیرہ سے ہوئی۔ جب وزیر خاں نواب ٹونک ہوئے تو غالب اور مومن جیسے بلند شعرا نے آپ کی خدمت میں قصیدے لکھ کر روانہ کیے۔ اس طرح ٹونک کے دیگر نوابین کی ادبی خدمات اور ادب پروری پر روشنی ڈالی گئی ہے، نیز گورنمنٹ کالج ٹونک کی ادبی خدمات، ٹونک کی ادبی انجمنوں، ٹونک کے اردو اخبارات و رسائل اور ٹونک میں فن خوش نویسی کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

اس کتاب کے مقدمے کے مطالعے سے ریاست ٹونک کی پوری شعری و ادبی تاریخ نظروں کے سامنے آجاتی ہے۔ یہ مقدمہ ٹونک کی ادبی تاریخ کی ایک ایسی دستاویز ہے جس میں اردو شعر و ادب کے ارتقا کی پوری تصویر نظر آتی ہے، جس میں ٹونک کی سابقہ ادبی عظمت کا احساس ہوتا ہے اور آزادی کے بعد بدلتی ہوئی ادبی قدروں کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اگر اس مقدمے کو تذکرے سے الگ کرکے شائع کیا جاتا تو بھی اس کی اہمیت قائم رہتی کیوں کہ ہندوستان کی ادبی تاریخ میں یہ ایک اہم اضافہ ہے۔

عزیز اللہ شیرانی کے مرتب کردہ اس تذکرے میں ٹونک کے 85 شعرا کا حال بیان کیا گیا ہے جن میں سے چند دنیائے فانی کو الوداع کہہ چکے ہیں۔ اس تذکرے میں شعرا کے مختصر حالات زندگی (پورا نام، ولدیت، جائے پیدائش، یوم پیدائش، تعلیم اور ادبی خدمات) رقم کی گئی ہے نیز شعرا کا منتخب کلام بہ طور نمونہ پیش کیا گیا ہے۔ خود ڈاکٹر شیرانی فرماتے ہیں کہ "زیر نظر تذکرے میں معاصر شعرائے ٹونک کے مختصر سوانحی حالات اور انتخاب کلام شامل ہے اور اس امر کا خصوصی دھیان رکھا گیا ہے کہ کوئی بھی شاعر نظر انداز نہ ہوسکے۔ تذکرے کی ترتیب کے دوران مشہور شاعر محمود سعیدی، فاخر، بدیع، بہار عقیدت، حسنی، کامل، نعیم، احسان، سحر بصری، راشد، راقی، ارشد رزاقی، ترنم اور حافظ انتقال فرماگئے، انھیں بھی اس تذکرے میں شامل کیا گیا ہے۔ تذکرے میں ترتیب حروف ابجد کی رو سے رکھی گئی ہے۔ معیار و مراتب کا دھیان نہیں رکھا گیا ہے۔ شعرا کا نمونہ کلام بھی ان کا ہی عنایت کردہ ہے جو من و عن تحریر کیا گیا ہے"۔

ڈاکٹر عزیز اللہ شیرانی کی اس تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس تذکرے کا مقصد ٹونک کے شعرا کا معیار و مراتب متعین کرنا نہیں بلکہ وہاں کی ادبی صورت حال اور سرگرمیوں کو منظر عام پر لانا ہے۔ ان میں بزرگ شعرا بھی ہیں اور نوجوان شعرا بھی، نیز خواتین کو بھی اس تذکرے میں شامل کیا گیا ہے۔

عزیز اللہ شیرانی نے شعرا کے حالات بیان کرتے وقت صاف ستھری اور عام فہم زبان کا استعمال کیا ہے لیکن کہیں کہیں حسب ضرورت فارسی آمیز زبان کام میں لی گئی ہے۔ ڈاکٹر عزیز اللہ شیرانی نے شعرا کے کلام کا جابجا تجزیہ بھی کیا ہے۔ آپ کا تجزیاتی لب تحقیق و تنقید سے وابستہ نئے قلم کاروں کے لیے مشعل راہ ہے۔ اس کا ایک نمونہ محمود سعیدی کے باب میں یوں ملتا ہے: "محمود سعیدی جدید شعرا میں نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کی شاعری صرف تجزیاتی نوعیت کی نہیں ہے بلکہ ان کی شاعری میں ایسی داخلی کیفیت ہے جس میں گہرائی، گیرائی، غم روزگار اور ماحول کی گھٹن کا احساس ہوتا ہے۔ اپنے افراتفری کے ماحول سے متاثر ہوکر اپنے مشاہدات اور تجربات سے محبت کی شمع روشن کرتے ہیں"۔

مجموعی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ 'تذکرۂ معاصر شعرائے ٹونک' موجودہ ٹونک کی ادبی صورت حال کا آئینہ ہے جس میں وہاں گلشن سخن کے مختلف رنگا رنگ کی جھلک دیکھنے کو ملتی ہے۔ امید ہے ادبی حلقوں میں اس تذکرے کی پذیرائی ہوگی۔ ●●

بقیہ: رازہائے درونِ پردہ

صفحہ ۸ سے آگے

ہاؤس، ماں باپ، دنیا جیسی کامیاب اور بڑی فلموں کی لیڈنگ لیڈی تھی لیکن ایسا نہیں تھا کہ کوئی دوسری ہیروئن اُس کے سامنے ٹک نہ سکی۔

نرگس کی جھجک

نرگس اپنی فلموں کے ابتدائی دنوں میں سیٹ پر کام کرتے ہوئے بہت شرم اور جھجک محسوس کرتی تھی۔ جب وہ ۱۹۴۸ء میں راج کپور کے ساتھ پہلی بار 'آگ' فلم میں کام کررہی تھی تو راج نے ایک بار ریہرسل کے دوران کہا "مس نرگس تمھیں تو ٹھیک طرح چلنا بھی نہیں آتا"۔ نرگس زار و قطار رو پڑی۔ ان الفاظ کو اُس نے اپنی توہین پر محمول کیا حالاں کہ راج نے یہ الفاظ سادہ عام طور پر کہے تھے۔ اُس نے بڑی مشکل سے نرگس کو چپ کرایا اور تسلی دی۔ بعد میں دونوں گہرے دوست بن گئے اور برسات، آوارہ، شری چار سو بیس، آہ، پاپی، آشیانہ، جان پہچان وغیرہ فلموں میں ایک ساتھ آئے۔ اُن دنوں ان کی جوڑی کسی بھی فلم کی کامیابی کی دلیل سمجھی جاتی تھی اور پروڈیوسر بے دھڑک سرمایہ لگاتے تھے۔ ان کا نام اناؤنس ہوتے ہی فلم کے حقوق بک جاتے تھے۔

شیر کے شکار کا منظر

پروڈیوسر ڈائرکٹر مرزا حزل کی فلم 'اونتا گرن' بڑے طمطراق کے ساتھ شروع ہوئی۔ اس کے مکالمے مشہور ادیب عادل رشید کے برادر خورد کامل رشید نے لکھے تھے اور گانے انجم پیلی بھیتی نے تحریر کیے تھے۔ موسیقی جنوبان پرشاد کی تھی۔ گیتا بالی، نمی، الطاف، مرزا مشرف، خوابیدہ صابر، جانکی داس، مظہر خاں اور للتا پوار اس کی کاسٹ میں شامل تھے۔ خاص طور سے اردو پریس میں اس کی زوردار پبلسٹی کی گئی کیوں کہ حزل، بیگم حزل اور خوابیدہ صابر اردو دنیا میں خاصی شہرت رکھتے تھے۔ حزل حیدرآباد کے ادبی حلقوں میں مقبول تھے۔

۱۹۵۰ء میں بننے والی اس فلم میں شیر کے شکار کا ایک منظر تھا جس کی فلم بندی کے لیے ہدایت کار حزل، مہاراجہ جیسلمیر وغیرہ لوگ جنگل میں گئے۔ ڈھول کی آواز سے پتا چلا کہ شیر آرہا ہے لیکن باوجود کوشش کے وہ کسی کو نظر نہ آیا۔ اچانک کیمرہ مین شوہام نے شیر کو اپنے بالکل نزدیک پایا۔ اس کے ہوش اُڑ گئے۔ اتفاق

سے مہارا جہ کی نظر پڑ گئی، انھوں نے گولی چلا دی اور شیر چت ہو گیا مگر شیر کے مرجانے کے بعد بھی کیمرہ مین پر اتنی دہشت طاری رہی کہ وہ فوٹو نہ لے سکا۔

بھاگ دوڑ کے مناظر

فلموں میں اکثر ایسے مناظر دکھائے جاتے ہیں کہ ہیروئن کسی اونچی جگہ سے چھلانگ لگا رہی ہے یا دریا میں کود رہی ہے، اسی طرح ہیرو گھوڑے پر سرپٹ بھاگا جا رہا ہے یا بہت تیز موٹر چلا رہا ہے وغیرہ، لیکن دراصل بہت سے فلم اسٹار ایسا نہیں کرتے بلکہ ان کی جگہ دوسرے لوگ یہ پارٹ ادا کرتے ہیں جنھیں ڈپلی کیٹ کہا جاتا ہے لیکن کیمرہ ورک سے یہ بات ظاہر نہیں ہونے پاتی۔ یہ ڈپلی کیٹ آپ کو ہر اسٹوڈیو میں چلتے پھرتے نظر آئیں گے۔ معمولی معاوضہ ادا کر کے انھیں ہر وقت بلایا جا سکتا ہے۔ فلم ساز اور ہدایت کار انھیں اضافی شے سمجھتے ہیں اور انھیں کوئی اہمیت نہیں دی جاتی، ڈپلی کیٹ کہہ کر اکثر ان کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔

۱۹۳۹ء میں بننے والی بمبئی ٹاکیز کی فلم 'کنگن' میں کاشی کو شمل کو کرتے دکھایا گیا تھا حالاں کہ وہ ایک دوسری لڑکی تھی۔ فلم 'نرتکی' میں مدھوبالا کو بہت دور سے بھاگ کر اپنے باپ کو کار سے لپٹتے دکھایا گیا تھا، یہ ایکٹنگ کرنے والی لڑکی کوئی اور تھی۔ ڈائرکٹر ولی کی فلم 'زیورات' میں مسعود اور مینا شوری کو سائیکل پر گھومتے دکھایا گیا تھا لیکن وہ سائیکل اپنی جگہ سے ہلتی تک نہیں تھی۔ ناقص فوٹو گرافی کی وجہ سے صاف پتا چل رہا تھا کہ تماش بینوں کو بے وقوف بنایا جا رہا ہے۔ ایس یو سنی کی فلم 'اڑن کھٹولا' میں ہیروئن نمی اپنی سہیلیوں کے ساتھ 'میرا سلام لے جا دل کا پیام لے جا' گانا گاتے ہوئے سرپٹ گھوڑا دوڑا رہی تھی لیکن دراصل ایسا نہیں تھا۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ یہ سب بناوٹی ہے۔ فلمی اصطلاح میں اسے بیک پروجیکشن (Back Projection) کا کمال کہا جاتا ہے۔ اسی طرح فلم 'بس ہالا' میں کشور کمار اور وجنتی مالا کی گھوڑ سواری کا منظر صاف جعلی معلوم ہوتا تھا کیوں کہ کیمرہ مین اور ٹکنیشین اپنی مہارت دکھانے سے قاصر رہے تھے۔

ثریا کا اخلاق

ایک بار فلم ایکٹرس ثریا کو فلم میں ایک ایسا رول ادا کرنا تھا کہ وہ ایک چھوٹے بچے کو گود میں لیے ہوئے ہے۔ شوٹنگ شروع ہونے سے قبل ایک اجنبی عورت ایک چھوٹے سے بچے کو کپڑے میں لپیٹے اس کے پاس آئی اور بولی "دیکھیے! اس بچے کا جسم پھنسیوں سے بھرا ہوا ہے لیکن خدا کے لیے آپ اسے گود میں لینے سے انکار نہ کر دیجیے گا ورنہ مجھے جو معاوضہ ملنے والا ہے اس سے محروم ہو جاؤں گی اور مجھے بڑی مصیبتیں اٹھانی پڑیں گی"۔ ثریا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے عورت کو دلاسا دیا اور شوٹنگ کے وقت بلا جھجک بچے کو گود میں لے کر سینے سے لگا لیا۔ اپنے چہرے سے اس نے ذرا بھی ظاہر نہ ہونے دیا کہ وہ ایک بیمار بچے کو گود میں لے کر کسی قسم کی پریشانی محسوس کر رہی ہے۔

اس کے برعکس ایک دوسرا واقعہ جان لیجیے جو انسانی فطرت کے دوسرے پہلو کو اجاگر کرتا ہے۔ ۱۹۴۹ء میں بمبئی کے ایک اسٹوڈیو میں سیٹھ دل سکھ ایم پنچولی کی فلم 'مینا بازار' کی شوٹنگ چل رہی تھی جس میں شیام اور نرگس نے مرکزی کردار انجام دیے تھے۔ منظر کشی جب ختم ہو گئی تو شیام منہ ہاتھ دھونے کے لیے اسٹوڈیو کے باتھ روم میں گیا۔ واش بیسن کے ساتھ جو تولیہ ٹنگا ہوا تھا وہ صاف نہیں تھا۔ منہ ہاتھ صاف کرنے کے بعد جب شیام کی نظر تولیے پر پڑی تو وہ چلا اٹھا کہ اتنے بڑے پروڈیوسر بنے پھرتے ہیں اور ایک اچھے تولیے تک کا بندوبست نہیں کر سکے۔ سیٹھ پنچولی اونچی آواز سننے کے عادی نہیں تھے، وہ یہ چیخ پکار سن کر وہاں پہنچے اور کہنے لگے "میں ابھی دوسرا تولیہ منگوائے دیتا ہوں" لیکن شیام کا غصہ ٹھنڈا نہ ہوا۔ پنچولی صاحب حیران تھے کہ جو ایکٹر لاہور میں بار بار کام مانگنے کے لیے ان کے پاس آیا کرتا تھا آج ان کے سامنے گستاخ ہوا جا رہا ہے۔ پنچولی لاہور کی فلم انڈسٹری کے سنگ بنیاد ہوا کرتے تھے اور تقسیم وطن کے بعد وہ بمبئی آ گئے تھے اور اپنی فلمیں بنا رہے تھے۔ اس واقعے کا ان کے دل پر ایسا اثر ہوا کہ انھوں نے آئندہ فلمیں بنانے سے توبہ کر لی۔

میک اپ کا کمال

بہت سے لوگوں نے سالوں پہلے مشہور انگریزی فلم 'ہنچ بیک آف دی نوٹرڈیم' (Hunch Back of the Notardam) دیکھی ہوگی۔ اس میں ہالی وڈ کے مشہور اداکار چارلس لافٹن (Charlas Laftan) ایک مکروہ صورت کبڑے کی شکل میں نمودار ہوا تھا۔ اس کے چہرے کے نصف حصے کو اس بری طرح مسخ کیا گیا تھا کہ دیکھ کر خوف آتا تھا۔ یہ سب میک اپ کا کمال تھا۔ سب سے پہلے چوزے کی ایک پتلی سی جھلی لے کر اس کو اداکار کی ناک کے اوپر چپکا کر پیشانی پر جوڑ دیا گیا جس سے اس کی ناک اوپر کی طرف اٹھ گئی، اس کے بعد ایک نقاب تیار کیا گیا اور اس میں ایک مصنوعی آنکھ نصب کی گئی، پھر اسے اس طرح چہرے پر چڑھا دیا گیا کہ دیکھنے والے کو اداکار کی بدصورتی کا یقین ہو گیا۔ اسی طرح اسے کبڑا بنانے کے لیے مٹی کا ایک تودہ اس کی کمر سے باندھ دیا گیا جس سے یہ نظر آنے لگا کہ وہ واقعی کبڑا ہے۔ اس پیچیدہ رول کو چارلس لافٹن نے بڑی خوبی سے ادا کیا۔ ہندستانی فلم ساز امیہ چکرورتی کی فلم 'بادشاہ' میں مشہور کیرکٹر ایکٹر الہاس نے بھی یہی رول ادا کیا تھا اور اس کے میک اپ میں بھی تکنیک استعمال کی گئی تھی۔

رنجیت مووی ٹون کی فلم 'سورداس' میں کے ایل سہگل کو دیکھ کر اگرچہ لوگوں نے تعجب کا اظہار نہیں کیا تھا تو یہ سوچا ضرور تھا کہ سہگل کس طرح سورداس میں اندھا بنا۔ یہ بھی چابک دست میک اپ ماسٹر کا کام تھا۔ اس نے روئی کے دو چھوٹے چھوٹے پھاہے بنائے جنھیں درمیان سے سیاہ کر دیا گیا اور انھیں آنکھوں پر چپکا دیا گیا، جو جگہ سیاہ کی گئی تھی اس میں ایک چھوٹا سا سوراخ تھا تاکہ اداکار ارد گرد دیکھ سکے اور ٹھوکر نہ کھائے۔

فلم ایکٹر کو قید کی سزا

مدت ہوئی فلمی دنیا میں رینش نام کا ایک ایکٹر ہوا کرتا تھا۔ اس نے ایک سوشل فلم 'دل' میں منشی کا رول اتنے اچھے ڈھنگ سے ادا کیا تھا کہ فلم بین واہ واہ کر اٹھے۔ وہ ایک کیرکٹر ایکٹر تھا جو کئی اقسام کے کردار انجام دے چکا تھا لیکن نمایاں ہو کر نہیں ابھرا تھا۔ 'دل' کے مارکیٹ میں آنے سے اس کا نام چمک اٹھا اور کئی فلم سازوں نے آفر بھیجیں۔

پولیس والوں کو پتا چلا کہ سرشتی ثریا نامی ایک لڑکی سے جسم فروشی کرواتا ہے اور اس کی آمدنی سے موج اڑاتا ہے چناں چہ نشان زدہ نوٹ دے کر ایک بوگس گاہک رینش کے پاس بھیجا گیا جس نے اس سے معاملہ طے کر لیا، عین وقت پر پولیس نے چھاپہ مارا اور رینش اور ثریا گرفتار کر لیے گئے۔ مقدمہ کی کئی پیشیوں کے بعد جرم ثابت ہونے پر فاضل مجسٹریٹ نے رینش کو نو ماہ قید اور ایک ہزار روپیہ جرمانہ کی سزا سنائی۔ عدم ادائیگی جرمانہ کی صورت میں مزید چھ ماہ قید کا حکم ہوا۔ رینش نے ایام اسیری بڑی مشکل سے کاٹے۔ کہاں فلمی دنیا کے عیش و آرام اور کہاں جیل میں عذاب کے دن۔ قید سے چھوٹنے کے بعد جب رینش نے پھر سے فلموں میں کام کرنے کی کوشش کی تو کامیاب نہ ہو سکا۔ کسی نے اُسے منہ نہیں لگایا اور ہر کوئی کترانے لگا۔ یہ تھا رینش کا برا انجام۔

❁❁❁

بقیہ صفحہ ۵ سے آگے

پردیش) میں اردو، پنجاب میں اردو کے علاوہ کشمیری، ڈوگری، پنجابی۔ پونے میں گجراتی، مراٹھی، کونکنی اور بنگلور اور میسور میں تمل، تیلگو، ملیالم اور کنڑ زبانیں بھی پڑھائی جاتی ہیں۔

اس پروجیکٹ پر مرکزی حکومت خطیر رقم خرچ کرتی ہے، لیکن مجاز افسران کی تساہلی کے سبب اس برس مراکز پر کلاس شروع نہیں ہو سکے ہیں کیوں کہ افسران نے اس برس اردو زبان سیکھنے کے خواہش مند اساتذہ کی درخواستوں پر فیصلہ نہیں کیا۔ لکھنؤ مرکز پر موصول سیکڑوں درخواستوں میں سے صرف ۵ کو منظور کیا گیا لیکن ان کی بھی درجات میں حاضری نہیں ہو سکی کیوں کہ جن اضلاع میں وہ امیدوار تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں وہاں کے بی ایس اے و تعلیمی افسران نے انھیں رخصت نہیں دی، اس کی وجہ سے لکھنؤ میں اس برس کورس شروع ہی نہیں ہو سکے۔ ذرائع کے مطابق لکھنؤ مرکز پر اردو سیکھنے کے لیے 32 نشستیں ہیں جس کے لیے ہر برس سیکڑوں درخواستیں آتی ہیں، اس برس بھی آئیں، جن پر لکھنؤ کے کارگزار انچارج ڈاکٹر یوگ راج جوگی جو کہ سولن اردو ٹیچنگ مرکز کے مستقل پرنسپل ہیں، نے انتخاب کیا اسے بنگلور اور میسور بھیجا جہاں سے صرف ۵ اساتذہ کی منظوری ملی۔ ان امیدواروں میں سرکاری و پرائیویٹ اساتذہ کو مرکزی حکومت کی جانب سے 10 مہینے کی تنخواہ کی ادائی کی جاتی ہے، اس کے علاوہ اگر پی ایچ ڈی، ایم فل، ایم اے اور بی اے کے طلبہ کو اردو سیکھنے کا موقع دیا جاتا ہے تو انھیں 5000 روپے ماہوار اعزازیہ اور 800 روپے اسٹیشنری کا خرچ دیا جاتا ہے، لہٰذا جن اداروں کے اساتذہ منتخب ہوتے ہیں ان پر کسی طرح کا مالی بوجھ نہیں پڑتا ہے۔ اس کے باوجود ریاستی افسران اساتذہ کو رخصت دینے میں تساہلی برتتے ہیں، اس مرحلے میں سینٹر کے پرنسپل کے ذریعے مرکزی حکومت کے پروجیکٹ میں تعاون کرنے کے لیے زور دینے پر اساتذہ کو رخصت و اجازت مل جاتی ہے، لیکن لکھنؤ میں کوئی مستقل پرنسپل نہ ہونے کی وجہ سے یہاں ایسا بھی نہیں ہو سکا۔ اس سلسلے میں سب سے زیادہ پریشانی ان اساتذہ کو ہو رہی ہے جو بطور گیسٹ فیکلٹی تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے۔ چوں کہ درجات شروع نہیں ہوئے، لہٰذا گیسٹ فیکلٹی کے اساتذہ بے روزگار ہو گئے۔ اس کا منفی اثر یہ پڑا کہ مرکز کے مستقل ملازمین (کلرک و چپراسی) نے ان اساتذہ سے بھی بدسلوکی شروع کر دی۔ گزشتہ کئی ماہ سے اپنی روزی کے لیے جد و جہد کر رہے ان اساتذہ نے احتجاج و مظاہرے کا طریقہ بھی اپنایا ہے۔ لکھنؤ میں بھی ان اساتذہ نے لکھنؤ کے ممبر پارلیمنٹ اور مرکزی وزیر داخلہ راج ناتھ سنگھ کو اپنی پریشانی سے واقف کرانے کے لیے میمورنڈم ارسال کیا ہے، اس میمورنڈم پر کب اور کتنا اثر ہوتا ہے یہ تو بعد میں معلوم ہوگا، سردست ان اساتذہ کے سامنے روزی کا مسئلہ ہے جنھوں نے دسوں برس اس امید پر گزارے ہیں کہ ایک دن انھیں بھی مستقل ملازمت مل جائے گی۔

ذرائع کے مطابق لکھنؤ مرکز میں یہ تساہلی اس لیے بھی ہے کہ یہاں کوئی مستقل پرنسپل نہیں ہے، سولن کے پرنسپل کے پاس اضافی چارج ہے جو لکھنؤ اور سولن کے درمیان کوآرڈینیٹ نہیں کر رہا ہے جس کی وجہ سے حالات اس قدر خراب ہو گئے۔ اس سلسلے میں پروفیسر یوگ راج جوگی کا کہنا ہے کہ اس برس مجاز افسران نے منتخب امیدواروں کو رخصت ہی نہیں دی، جس کی وجہ سے لکھنؤ میں درجات شروع نہیں ہو سکے۔ پروفیسر جوگی نے بتایا کہ اس کے لیے انھوں نے ریاستی حکومت اور اعلا افسران کو خطوط بھی ارسال کیے لیکن اس پر کوئی خاطر خواہ عمل درآمد نہیں ہو سکا، اس کی وجہ سے جہاں درجات شروع نہیں ہو سکے وہاں اساتذہ بھی روزگار سے محروم ہو گئے۔

(راشٹریہ سہارا، دہلی)

٭٭٭٭٭

پرانی فلمی یادیں

رازہائے درونِ پردہ

دوسری اور آخری قسط

وشوانا تھ طاؤس
C-38، سیکٹر 39
نوئیڈا (یوپی) 201303

ممتاز علی کی ناک

اپنے دور کا مشہور ڈانس ڈائرکٹر اور ایکٹر ممتاز علی (کامیڈین محمود کا باپ) بمبئی ٹاکیز کا مستقل آرٹسٹ تھا اور اس کی ہر فلم میں اس کا کوئی نہ کوئی رول ہوا کرتا تھا۔ وہ ایک فلم کی شوٹنگ میں مصروف تھا کہ کیرکٹر ایکٹر رام سنگھ وہاں پہنچا اور آؤ دیکھا نہ تاؤ ممتاز علی کی ناک کو ہاتھ لگا دیا اور ایسا کرنے کے بعد وہاں سے بھاگ نکلا۔ ممتاز علی نے ناک بھوں چڑھائی اور اسٹوڈیو میں کام کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ سب حیران تھے کہ بات کیا ہے؟

ممتاز علی نے پروڈیوسر کو مجبور کیا کہ وہ اسے فوراً اپنی کار پر رام سنگھ کے مکان پر لے جائے۔ بس وہ لوگ رام سنگھ کے مکان پر پہنچے اور ممتاز علی نے فوراً اپنا ہاتھ رام سنگھ کی ناک پر لگا دیا۔ سب حیران تھے۔ آخر بھید یہ کھلا کہ ممتاز علی ایک عجیب قسم کے وہم میں مبتلا تھا کہ اگر کوئی شخص اس کی ناک کو ہاتھ لگا دے تو بہت جلد اس پر کوئی مصیبت نازل ہو جائے گی۔ ممتاز علی کے خیال کے مطابق اس مصیبت کے تدارک کے لیے اس شخص کی ناک کو خود ہاتھ لگانا ضروری تھا۔ ایسا کرنے پر ہی اسے اطمینان نصیب ہوتا تھا۔

ممتاز علی جب بوڑھا ہو گیا تو اس نے فلمی دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور گھر بیٹھ گیا۔ اسے شراب پینے کی لت تھی۔ اس کا بیشتر وقت جام جم لنڈھانے میں گزرتا اور ساتھ ساتھ اپنی جوانی کے دنوں کو یاد کرتا۔ اس نے گھر پر ہزماسٹر وائس کمپنی کا گراموفون رکھ چھوڑا تھا جس پہ ہر وقت فلم 'انمول گھڑی' میں نور جہاں اور سریندر کا گایا ہوا یہ ڈوئٹ بجتا رہتا تھا

آواز دے کہاں ہے دنیا مری جواں ہے
چلے کہاں تک سے ہمارا کارواں ہے

اس کا گھریلو ملازم بار بار گراموفون کی چابی گھماتا اور یہ ریکارڈ مسلسل بجتا رہتا، ساتھ ہی ساتھ جام بھر کر دیتا رہتا اور کھانے کے لیے کچھ نہ کچھ مہیا کرتا۔ اس طرح ممتاز علی کی بقیہ زندگی یہ گراموفون ریکارڈ سنتے سنتے گزر گئی۔

فلمی ستاروں کے اوہام

نئی تہذیب کے اس دور میں بھی بہت سے لوگ جیوتشیوں، نجومیوں، تعویذوں، گنڈوں اور ٹوٹکوں پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ کوئی منتیں اور نیازیں مانتا ہے، کوئی بزرگوں کی درگاہوں پر چراغ جلاتا ہے اور کوئی پیروں کو نذرانے پیش کرکے من کی مراد پاتا ہے۔ ہمارے بعض فلم اسٹار بھی توہمات کا شکار تھے۔ حصول کامیابی، تکمیل خواہشات اور نظر بد سے محفوظ رہنے کے لیے ہر فنکار کی اپنی جداگانہ تعبیریں تھیں۔

کامنی کوشل کو رات کی خاموشی میں بلی کا میاؤں میاؤں کرنا اور دائیں آنکھ کا پھڑکنا منحوس تھا۔ ایک دفعہ رات کے وقت اچانک اسے میاؤں میاؤں کرتی بلی نظر آئی، اسی وقت اس کی داہنی آنکھ پھڑکنی شروع ہوگئی۔ علی الصبح اسے تار ملا کہ اس کی بہن کو موٹر کا حادثہ پیش آیا ہے۔ فلم 'آرزو' کے افتتاح پر کپی سیلون (سری لنکا) گئی تھی تو کشتی میں سیر کرتے وقت اس کا کنگن سمندر میں گر گیا تھا۔ یہ واقعہ نرگس کے دل میں سما گیا، چنانچہ وہ پانی میں اترنے سے پہلے اپنے تمام زیورات اتار کر باہر رکھ دیتی تھی حالاں کہ یہ ضروری نہیں کہ ایک ہی نوعیت کا حادثہ بار بار پیش آئے۔ نرگس کو ایک جیوتشی نے یہ ہدایت کر رکھی تھی کہ وہ کسی کے ہاتھ کی کوئی چیز نہ کھائے ورنہ معاملہ خفت تک جا سکتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ نرگس کی آزاد پسند طبیعت اس تنبیہ سے بے نیاز تھی۔ پیشانی ہنس نے وی شانتارام کی فلم 'اپنا دیش' میں ہیروئن کا کردار ادا کرکے بڑی شہرت حاصل کی تھی۔ اس کا وتیرہ تھا کہ وہ منگل اور بدھ کو گھر سے باہر نہیں نکلتی تھی۔ اسے ایک جیوتشی نے کہہ رکھا تھا کہ یہ دو دن اس کے لیے انتہائی خطرناک ہیں۔ اگر وہ ان دونوں میں گھر سے باہر نکلی تو کسی حادثے سے دوچار ہونے کا خطرہ ہے۔

وہ بھی کا خیال تھا کہ اگر کوئی جنازہ اس کے دائیں طرف سے نکل جائے تو بدقسمتی کی علامت ہے اور اگر بائیں طرف گزرے تو نیک فال ہے۔ گوپ ہوائی جہاز سے کبھی سفر نہیں کرتا تھا کیوں کہ اسے بتایا گیا تھا کہ ہوائی سفر میں اس کے لیے جان کا خطرہ ہے۔ بھارت بھوشن سات کے ہندسے کو منحوس خیال کرتا تھا۔ اس نے ایک بیٹے کی سات تاریخ کو چار فلموں کے کنٹریکٹ کیے تھے لیکن ان میں سے کوئی بھی فلم مکمل نہ ہو سکی۔ بے راج جمعہ کے دن کو مبارک خیال کرتا تھا۔ جمعہ کے روز ہی وہ کام کی جستجو میں گھر سے روانہ ہوا تھا اور جمعہ کو ہی اس کی شادی ہوئی تھی۔ تسیم ولن سے پہلے یعقوب اپنی کامیابی کے لیے دعا مانگنے لاہور کے قریب ایک پیر کا دیدار کرنے جایا کرتا تھا۔ فلم ساز کمال ہر فلم شروع کرنے سے پہلے بمبئی کے ایک نامور جیوتشی سے تعویذ اور جادو گنڈے حاصل کرتا تھا۔

فلم 'دیوداس' کی عظمت

اس دور میں جب ملک کے دوسرے فلم ساز بھگم کا کیڈ، پاسنگ شو، دغا باز عاشق، ٹیلی فون گرل، شریف بدمعاش اور شیطان کا پانسہ فلموں سے آگے نہ بڑھ سکے تھے، پی سی بروا نے جرأت رندانہ سے کام لے کر دنیا کو سرت چندر کے مشہور ناول 'دیوداس' سے متعارف کرایا۔ یہ پہلی فلم تھی جس میں ہماری زندگی کو حقیقی انداز میں دکھایا گیا تھا۔ یہ ناول تو آخر ایک ایسا پکچر تھی، ہیر رانجھا، لیلیٰ مجنوں اور رومیو جیولیٹ سے الگ مگر حقیقت سے زیادہ قریب۔

اس فلم کو نمائش سے قبل بالکل ناکام قرار دیا گیا تھا۔ جب فلم بنا کے پروڈیوسر بی این سرکار نے اس کا ٹرائل شو دیکھا تو نہایت مایوس ہوئے۔ انھوں نے چند ڈسٹری بیوٹرز کو بلا کر اس کا ٹرائل شو دکھایا تو وہ بھی اس کے لیے زیادہ رقم دینے پر آمادہ نہ ہوئے۔ آخر اسے بلا کسی خاص پبلسٹی کے نمائش کے لیے پیش کر دیا گیا مگر یہ فلم اس قدر کامیاب ہوئی کہ اس دور کی کوئی بھی فلم اس کے مقابلے میں نہ ٹھہر سکی۔ کے ایل سہگل اور جمنا نے اس میں مرکزی رول ادا کیے تھے جو راتوں رات اسٹار بن گئے۔ اس فلم کی موسیقی ریکارڈ توڑ ثابت ہوئی اور سہگل کے نغمے برسوں تک گلی کوچوں میں گائے گئے۔ 'دیوداس' نے ہندستانی فلم سازوں کے دلوں میں انقلاب پیدا کیا اور وہ مار دھاڑ، سنسنی خیز اور دھارمک فلموں کے دور سے نکل کر سماجی فلموں کی جانب راغب ہوئے۔ اس فلم کی چھاپ اب تک ہماری فلم انڈسٹری میں نمایاں ہے۔

اس کہانی کو بعد میں دوبارہ فلمایا گیا۔ پہلی بار ۱۹۵۶ء میں ہدایت کار بمل رائے نے طبع آزمائی کی اور دلیپ کمار، سچترا سین، وجینتی مالا اور موتی لال جیسے بڑے اداکاروں کے ساتھ 'دیوداس' بلیک اینڈ وہائٹ میں ریلیز کی جو چل تو نکلی مگر نقش اولین جیسا تاثر پیدا نہ کر سکی۔ دلیپ کمار جیسا بڑا فنکار بھی سہگل جیسے حزنیہ تاثرات نمایاں نہ کر سکا اور نہ ہی ایس ڈی برمن کی موسیقی کوئی جادو جگا سکی۔ چند برس پہلے ڈائرکٹر سے پی وہ نے اس کو گھر میں پیش کیا۔ شاہ رخ خان، ایشوریہ رائے نے لیڈنگ رول پلے کیے لیکن سہگل اور جمنا کا قائم البدل نہ بن سکے۔ ہدایت کار گلزار بھی اس اسٹوری پر فلم بنانا چاہتے تھے اور امیتابھ بچن کو دیوداس کے رول میں پیش کرنے کے خواہش مند تھے لیکن ان کا منصوبہ بر سرے نہ چڑھ سکا۔ آج کے کسی اسٹار میں اتنا دم نہیں کہ وہ سہگل جیسی رُلا دینے والی ایکٹنگ کر کے دکھائے اور نہ ہی پی سی بروا جیسا کوئی ہدایت کار دکھائی دیتا ہے جس نے تماشائیوں کے دلوں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔

وینا کی چلبلی

افتخار خوب صورت ایکٹریس وینا کا سگا بھائی تھا۔ ان دنوں کی بات ہے جب وینا ہیروئن ہوا کرتی تھی، افتخار کے سر پر جنون سوار تھا کہ وہ اپنی بہن کو ملک کی سب سے کامیاب فنکارہ بنا دے گا اور کسی کو اس کے مقابلے پر کھڑا نہیں ہونے دے گا۔ اپنے منصوبے کو کامیاب بنانے کے لیے افتخار نے سر توڑ کوشش کی۔ وینا کے سوانح کو بڑی بڑی سرخیوں کے ساتھ اخبارات میں چھپوایا۔ کہیں اسے شاہی خاندان سے وابستہ دکھایا، کہیں ملیکہ کی کا نمونہ اور کہیں لاثانی حسن کا مرقع اور خود بھی شہزادہ افتخار بن بیٹھا لیکن بھائی کی یہ دماغ سوزی بہن کے کام نہ آ سکی۔ وینا جہاں تھی وہیں رہی۔ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ وینا نے فلمی دنیا میں اپنی جگہ بنائی ہوئی تھی اور وہ نجمہ، پہلی نظر، پھول، راج ہٹ، امرت اشوک،

(بقیہ صفحہ ۷ پر)

مدیر: اطہر فاروقی
Editor: Ather Farouqui
شریک مدیر: محمد عارف خاں
Joint Editor: Mohd. Arif Khan
پرنٹر پبلشر: شاہد خاں
Printer, Publisher: Shahid Khan
مطبوعہ: ثمر آفسٹ پرنٹنگ پریس، دہلی
Printed at: Samar Offset Printing Press, Delhi
مالک: انجمن ترقی اردو (ہند)، اردو گھر ۲۱۲-راؤز ایونیو، نئی دہلی-۱۱۰۰۰۲
Proprietor: Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)
Urdu Ghar, 212-Rouse Avenue, New Delhi-110002
قیمت (فی شمارہ): دو روپے، سالانہ: ۸۵ روپے (بیرونی ممالک: آٹھ امریکی ڈالر)
Subscription: (Per Issue): Rs. 2/-, Yearly: 85/-
(Foreign Countries: US $ 8)
http://www.atuh.org. Phones: 23237212, 23237214